دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ
ماہنامہ
الحق
زیر سرپرستی: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور (مغربی پاکستان)

لہ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماھنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد : ۳
شمارہ : ۱۰
ربیع الثانی ۱۳۸۸ھ
جولائی ۱۹۶۸ء

مدیر
سمیع الحق

والقلم وما یسطرون

قسم ہے قلم کی اور ان کے لکھنے کی

اس شمارے میں

بدل اشتراک

مغربی پاکستان
سالانہ چھ روپے
فی پرچہ ۵۶ پیسے

مشرقی پاکستان
سالانہ بذریعہ ہوائی ڈاک آٹھ روپے
فی پرچہ ۶۲ پیسے

غیر ممالک سالانہ ایک پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

امریکہ کے صدارتی امیدوار رابرٹ کینیڈی کا قتل ایک المیہ ہے۔ مگر یہ تو ایک شخصی معاملہ ہے، اس وقت انسانیت کا سب سے بڑا المیہ خود امریکہ اور امریکی قوم ہے جس کے ہاتھوں ہزاروں لاکھوں انسان ویٹ نام میں جل رہے ہیں، فلسطین اُجڑ گیا ہے، سرزمین قدس کے مظلوم عرب خاک و خون میں تڑپ رہے ہیں اور جو بچ گئے ہیں وہ در در کی خاک چھان کر ذلت و مسکنت کی زندگی گذار رہے ہیں اور یہ تو صرف فلسطین اور ویٹ نام کا حال ہے ورنہ اس وقت دنیا میں جہاں کہیں بھی استحصال واستعمار یا انسانی حقوق کی پامالی اور جبر و بالادستی ہے اس میں بالواسطہ یا براہ راست ان ہی سفید فام یورپیوں کا ہاتھ ہے۔ امریکہ نے جو کچھ بویا اب اس کا پھل کاٹ رہا ہے۔ قدرت کا عجیب دستور ہے بسا اوقات اللہ تعالیٰ ظالم کا گلا خود اس کے ہاتھوں سے کٹوا دیتا ہے۔ مظلوم و مقہور انسانیت سے کھیلنے والے امریکیوں کے ہاتھ اب اپنے ہی گریبانِ عصمت اور دامنِ عفت و عافیت کو تار تار کر رہے ہیں — پچھلے ماہ کے صرف ایک ہفتہ کے اعداد و شمار کے مطابق امریکہ میں تقریباً دو ہزار افراد یا تو قتل ہوئے، یا انہوں نے خودکشی کی۔ افلاس بیروزگاری، طبقاتی کشمکش کا عفریت الگ اس کے سر پہ سوار ہے۔ اور بین الاقوامی بدنامی، سیاسی تخلف، جنگی زیردستی الگ اس کا پیچھا کر رہی ہے۔ اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر رنگ و نسل کا مسئلہ جس نے امریکیوں کے امن و امان کو تہس نہس کر دیا ہے، اور یہ ظہور ہے اس خدائی قانون، مکافاتِ عمل کا جس کی گرفت سے کوئی قوم یا فرد اور معاشرہ نہیں بچ سکا۔ ظالم کا ظلم اور سفاکی جتنی شدید ہوگی قدرت کی پکڑ بھی اتنی ہی سخت ہوگی۔ آج اگر امریکہ پر قتل و قتال اور خون ریزی کے بادل چھائے ہوئے ہیں، تو یہ ٹھیک ردِ عمل ہے اس عالمی ڈکیتی اور غنڈہ گردی کا جسکی بناء پر امریکہ نے یہود جیسے راندہ درگاہ قوم کی سرپرستی کی اور اسے عربوں کے سینہ پر براجمان کر دیا۔ ایسی قوم کی پشت پناہی جسکی ذلت اور مغضوبیت پر خدا نے دائمی مہر ثبت کی ہو ہرگز ہرگز عزت، غلبہ اور دنیا میں مقبولیت کا ذریعہ نہیں بن سکتی۔ کینیڈی کو کسی عرب نے قتل کیا یا امریکی

نے، مگر ووٹ کی خاطر اپنی مسخ شدہ اسلام دشمن فطرت کی وجہ سے وہ اسرائیل کی حمایت میں پیش پیش تھا اور خدا نے مغضوب اور ذلیل قوم کی حمایت کا مزہ اسے چکھا دیا ——— یہ تو امریکہ کی تصویر کا وہ سیاہ رخ ہے، جس پہ ظاہر بین نگاہیں نہیں پڑتیں، یورپ کی سرمایہ داری، عیاشی اور دولت کی ریل پیل اور مادی آسائش کا "روشن" پہلو بھی اس سے کم سیاہ اور مہیب نہیں، ایمان، تصورِ آخرت اور روح سے کھوکھلی زندگی کا یہ پہلو بظاہر بڑا دلکش مگر بباطن سراپا عذاب ہے۔ ایک کینیڈی خاندان کو لیجئے اس مختصر کنبہ کو اپنے والد سے اخبار ڈیلی میل کی اطلاع کے مطابق ۲۵ کروڑ پونڈ کی دولت ملی جو پورے مغربی پاکستان کے بجٹ سے زیادہ ہے ۔ مگر دولت کی اس فراوانی کے باوجود اس خاندان کا کیا حشر ہوا یا ہو رہا ہے۔ کچھ قتل ہوئے اکثر مختلف حوادث کے شکار ہوئے اور کچھ اندرونی بے چینی اور پریشانی کے ہاتھوں ذہنی یا جسمانی طور پر مفلوج ہیں۔ یہ ایک عبرت انگیز مثال ہے مال و دولت اور مادی زندگی کی بے ثباتی اور بے مروّتی کی اور تصدیق ہے ان ارشاداتِ ربانی کی جس میں مال و دولت کو ڈھلتی چھاؤں، چند روزہ بہار، نظر کا دھوکا اور متاعِ فریب کہا گیا ہے ـــ کمثل غیث اعجب الکفّار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرًا ثم یکون حطاما ۔ (دنیا کی مثال بارش جیسی ہے جس کی سبزی نے کسانوں کو خوش کر دیا پھر وہ خشک ہو جاتی ہے تو تو اسے زرد شدہ دیکھتا ہے۔ پھر وہ چورا ہو جاتا ہے۔)ـــ ـــ دنیائے فانی کی یہی وہ بے وقعتی ہے جسے قرآن نے ان الفاظ سے ظاہر کیا۔ وما اغنٰی عنہ مالہٗ اذا تردّٰی۔ (جس وقت وہ ہلاک ہوتا ہے تو اس کا مال اسے کچھ نفع نہیں پہنچاتا۔)۔ ما اغنٰی عنہ مالہٗ وما کسب ۔ (اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا) اور جب پردۂ فریب نگاہوں سے ہٹ جائے گا تو یہ بندۂ ہوی و ہوس اور نشۂ دولت سے سرشار انسان خود بھی چیخ اٹھے گا ما اغنٰی عنّی مالیہ ھلک عنّی سلطانیہ ۔ (میرا مال میرے کچھ کام نہ آیا مجھ سے میری حکومت بھی جاتی رہی ۔) ـــ اور یہی وہ معیشۃ ضنک (تنگ زندگانی) ہے جو ہوسِ دنیا خالق و مخلوق سے بے نیازی اور سچائیوں کو جھٹلانے کی صورت میں انسان کو گھیر لیتی ہے۔ یورپ کے کروڑپتی امیروں کی "خوش عیشی" پر مر مٹنے والو ذرا دیدۂ عبرت کھولو، ان میں سے ہر ایک کا حال اس راک فیلر اور ہنری فورڈ جیسا پاؤ گے جن سے اپنی دولت کا حساب تک نہ ہو سکتا تھا، مگر اندرونی بے چینی اور ذہنی خلاء کی وجہ سے انہیں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب نہ ہو سکا۔ اور جن میں سے ایک (راک فیلر) بھری پارلیمنٹ میں پھوٹ پھوٹ

کہ رونے لگا اور ایوان سے پوچھنے لگا کہ مجھے تبلا دو کہ حقیقی کامیابی کیا چیز ہے؟ اگر مال و دولت کامیابی ہے تو میں اپنی ساری متاع ایک رات کے سکون پر نثار کرنے کو تیار ہوں. مگر آہ اُسے کون سمجھاتا کہ سکونِ قلب، حیاتِ طیبہ، اور عافیت سے بھرپور زندگی تو صرف اور صرف اللہ کی یاد، اس سے صحیح تعلق اور ایمان و یقین کی دولت سے مل سکتی ہے، بیسویں صدی کی مادی تہذیب پر مرمٹنے والو تمہارے لئے صد ہزار نصیحت ہے اِن کینیڈیوں اور راک فیلروں کے حسرتناک انجام میں، خالص مادی تہذیب تو خدا کا وہ عذاب ہے، جسکی تپش دل کی گہرائیوں تک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ نارُاللہ الموقدۃ التی تطلع علی الافئدۃ - طمانیت اور سکون کی دولت تو خدا کی یاد ہی سے مل سکتی ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ کی یاد ہی سے دل مطمئن ہو سکتا ہے۔

○

مرکزی وزیرِ تعلیم قاضی انوار الحق صاحب نے قومی اسمبلی کے ایک سوال کے جواب میں ایک عجیب "شانِ بے نیازانہ" میں فرمایا کہ حکومت خاندانی منصوبہ بندی کے بارہ میں ہرگز علماء یا مشاورتی کونسل کی رائے معلوم نہیں کرے گی اس مسئلہ کا تعلق صحت سے ہے علماء اور اسلام سے نہیں۔ قاضی صاحب وزیر تعلیم ہیں اور پھر "قاضی" بھی اسی "شاہانہ" ترنگ میں یہ بھی فرما سکتے ہیں کہ "تجارتی اور صنعتی بینکنگ، سود، تقاوی، بیمہ وغیرہ مسائل کا تعلق تجارت اور صنعت سے ہے معاشرتی امور، طلاق نکاح، عدت کا تعلق معاشرہ سے ہے حکومت، وزارت اور قیادت کا تعلق سیاست سے ہے علماء اور اسلام سے نہیں اور ہم اس بارہ میں علماء سے استصواب نہیں کر سکتے، کس کی مجال ہے کہ لب کشائی کرکے پوچھ سکے کہ اس نقطۂ نگاہ سے اسلام اور پاپائیت یا عیسائیت میں فرق کیا رہ جائے گا؟ جہاں مذہب کو ملک اور معاشرہ کے ہر شعبہ سے نکال کر چند فرسودہ اور خود ساختہ اعتقادات تک محدود کر دیا گیا ہے۔ قاضی صاحب کی اس دلیل سے برتھ کنٹرول تو کیا شراب اور سؤر کو بھی صحت کیلئے مفید قرار دیا جا سکتا ہے کہ مذہب کا صحت اور بیماری سے کیا تعلق۔ مگر یاد رکھیئے جب سوال ملک کی حفاظت اور مدافعت کا پیدا ہو تو پھر علماء کو ہر گز مت بھولئے کہ وہ اٹھکر مسلمانوں میں جذبۂ جہاد بیدار کریں اور "اسلامی مملکت" کو تباہی سے بچانے کے لئے ہر منبر اور ہر محراب کو

محاذ جنگ اور سرحد اسلام بنا دیں کہ پاکستان میں مولوی کا مقام صرف ضرورت کے وقت مسئلہ جہاد کا بیان کرنا رہ گیا ہے۔ یا پھر وہ اطاعت و تسلیم کی تلقین کر کے "باعزت" زندگی گذار سکتا ہے۔

★

قومی اسمبلی میں مولوی فرید احمد صاحب کے ضمنی سوال پر ڈاکٹر فضل الرحمان کی کتاب "اسلام" اور اس کے نہایت دل آزار مباحث زیر بحث آئے، مولوی فرید احمد نے استفسار کیا کہ کیا حکومت اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کتاب نے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور لوگوں میں وسیع پیمانے پر برہمی پائی جاتی ہے۔ اس پر وزیر قانون نے کہا کہ "ہم اس سے آگاہ نہیں ہیں، لیکن ہم اس بارہ میں یقیناً غور کریں گے۔ مگر اس کے فوراً بعد وزیر قانون نے اس سوال کی توثیق کی کہ اس کتاب کے یہی حصے ماہنامہ فکر و نظر کے بعض شماروں میں شائع ہو چکے ہیں۔ وزیر صاحب کا یہ تجاہل عارفانہ اور عوام کے جذبات سے لاعلمی کا اظہار نہایت قابل افسوس ہے۔ پھر ادارہ تحقیقات کی اس رسوائے زمانہ کتاب کی ذمہ داری سے حکومت کیسے سبکدوش ہو سکتی ہے۔؟ جبکہ ع باد صبا ایں ہمہ آوردۂ تست ——— جہاں تک ڈائریکٹر صاحب کے "نظریات" کا تعلق ہے، مسلمانوں کو اس بارہ میں زیادہ دیر تک مغالطہ میں نہیں رکھا جا سکتا۔ جب معاملہ دین اور اس کے اساسی معتقدات کا ہو تو اس کی حفاظت کا مسئلہ ہر شخصی، معاشرتی اور قومی و ملکی مفاد سے مقدم ہو جاتا ہے۔ اور بحمد اللہ مسلمان دین کے تحفظ کے بارہ میں ابھی تک حساس ہیں جس کی مثال اسی کتاب "اسلام" کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ الحق نے پچھلے ایک شمارہ (مارچ) کے ادارتی نوٹ میں ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ کتاب اور دیگر مضامین سے ڈاکٹر صاحب کے بعض لادینی نظریات کی ایک جھلکی پیش کی تھی خدا نے الحق کی یہ حقیر آواز دور دور تک پہنچا دی۔ ملک کے ہر طبقے نے ان نظریات پر نہایت حیرت اور افسوس کا اظہار کیا بالخصوص مشرقی پاکستان میں تو اس کا رد عمل اور بھی شدید ہے۔ وہاں کے آئے ہوئے بعض خطوط اور اطلاعات کے مطابق اب تک لاکھوں افراد کے اجتماعات میں اسی کتاب اور ادارہ تحقیقات کے خلاف احتجاج اور پورے صوبہ میں غم و غصہ کا اظہار ہو رہا ہے۔ وزیر قانون یا حکومت کو اگر اس وسیع پیمانے کی برہمی کا علم نہیں تو کم از کم راولپنڈی کی اسلامی کانفرنس میں ایمانی جذبات کے روح پرور مناظر تو ان کے سامنے ہیں پھر کیا وزیر قانون صاحب اس کانفرنس کی بعض خاص مجالس کو بھی اتنا جلد فراموش کر بیٹھے جس میں ان کے سامنے بعض جید علماء نے ڈاکٹر صاحب اور ادارہ تحقیقات کے نظریات کو کھول کر رکھ دیا تھا۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۵ ربیع الثانی ۸۸ھ

ضبط و ترتیب: ادارہ الحق

فریضۂ نبوت

تلاوت آیات ۔۔۔۔۔۔ تزکیہ نفوس ۔۔۔۔۔۔ تعلیم کتاب و حکمت

یہ تقریر حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے سفر مشرقی پاکستان کے دوران میمن سنگھ کی جامع مسجد کے عظیم اجتماع میں بعد از نماز ظہر ۲۶ ذی قعدہ ۲۶ فروری کو ارشاد فرمائی۔ حاضرین کا تخمینہ ۳۰، ۳۵ ہزار کے لگ بھگ تھا۔ ۔۔۔(ادارہ)۔۔۔

★

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ۔

محترم بزرگو! اس آیت میں خداوند کریم نے حضورؐ کی بعثت کو مومنین پر بطور ایک احسان عظیم کے ذکر فرمایا، نیز حضور اقدسؐ کے فرائض منصبی کو بھی بیان کیا گیا کہ ان کا کام تلاوت آیات، اور تعلیم کتاب و حکمت ہے ۔۔۔ اس فرض منصبی سے عہدہ برآ ہونے کیلئے حضور نے جس شغف، انہماک اور محنت و مشقت برداشت کرنے کا مظاہرہ فرمایا، کوئی مثال اسکی نہیں مل سکتی۔ اس امت کی تعلیم و تربیت اور انسانوں کو خدا سے ملانے کیلئے حضورؐ کو عجیب رأفت و شفقت خدا نے عطا فرمائی تھی۔ لقد جاءکم رسولٌ من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم۔

امت سے حضورؐ کی آخری ملاقات | زندگی کے آخری وقت میں ہر شخص کو دنیا سے جاتے وقت اپنی اولاد اور مال و دولت وغیرہ کی فکر ہوتی ہے۔ مگر حضور اقدس نے جس دن وصال فرمایا اس دن صحابہ کرامؓ کا صبح با جماعت نماز پڑھنے کے دوران حجرہ مطہرہ کا پردہ اٹھایا۔ مسجد بھری ہوئی تھی، صحابہؓ نماز میں کھڑے ہیں صحابہؓ نے گوشۂ چشم سے دیکھا سید الکائنات

علیہ السلام کا چہرہ سامنے ہے حضور انورؐ کا چہرہ جیسا کہ مصحف قرآن کا ایک ایک صفحہ علوم وانوار اور برکات سے معمور وتابندہ ہے اسی طرح چہرہ انور نور سے بھرا تھا، تبسم چہرے پر طاری تھا۔ صحابہ کرامؓ کو بڑی خوشی ہوئی اور انہوں نے چاہا کہ دوڑکر حضورؐ سے لپٹ جائیں، نماز چھوٹ جانے کا خطرہ صحابہؓ کو لاحق ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ مصلّی سے پیچھے ہٹنے لگے حضورؐ نے اشارہ سے روک کر فرمایا نماز پڑھاتے رہو۔ پھر پردہ سرکا کر اندر تشریف لے گئے، علماء نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے اپنی امت کے ساتھ آخری ملاقات نماز کی حالت میں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضری کے وقت اس حالت کی شہادت دے سکیں کہ جو قوم اللہ کے دروازے سے بھٹکی ہوئی تھی، کوئی لاتؔ اور عزیٰؔ کو پوجتا تھا، کوئی مناتؔ کو، اور کوئی شیطان کو اپنا معبود بنائے ہوئے تھا ـــ اے اللہ میں نے انہیں تیرے دروازے پر حاضر کر دیا اور تیری عبادت کرتے چھوڑ کر آیا ہوں۔

ہر وقت امت کی فکر | حضورؐ کو ہر لحظہ اپنی امت کی دامنگیر رہی۔ حجۃ الوداع میں عرفات کے موقعہ پر دعا کی اور تشفی کرانی چاہی کہ میری امت کا کیا حال ہوگا۔ حضورؐ آخری نبی ہیں اور آپ کی امت آخری امت ۔ اور اسے راہِ حق سے بھٹکانے کے لئے بے حساب فتنے سر اٹھائیں گے ۔ دولت، عورت، حکومت، عیاشی اور دیگر بہت سی چیزیں ہونگی۔ امتی کس کس فتنے کے مقابلہ میں کامیاب ہوں گے۔ تو دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے میری امت کے بخشنے کی بشارت دے تو اللہ تعالیٰ نے میدان عرفات میں اپنے حقوق معاف کر دینے کی بشارت دی اور حقوق العباد کی معافی کا اعلان نہ ہوا۔ حضورؐ بے چین رہے رات کو مزدلفہ میں رو رو کر پھر دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ حقوق العباد بخشنے کی کوئی صورت بھی فرما دیں، اسطرح کہ صاحب حق کو حق بھی پہنچ جائے اور اس حق تلفی کرنے والے کو معافی بھی ملے تاکہ ابدی عذاب سے نجات پائے تو خداوند کریم نے یہ دعا بھی قبول فرمائی اور صورت بتلادی کہ قیامت کے دن مدعی اور مدعی علیہ کے سامنے ایک عظیم الشان باغ اور ایک شاندار محل آجائے گا ـــ دونوں مقدمہ چھوڑکر متوجہ ہو جائیں گے کہ یا اللہ یہ شاندار باغ اور محل کس کے نصیب میں ہوگا۔ کسی شہید یا کسی مجاہد یا کسی نبی ہی کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے۔ کہ یہ تو فروخت کیلئے ہے، وہ متعجب ہونگے۔ کہ اسے کون خرید سکتا ہے۔؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو خرید سکتا ہے اگر تو اپنے حقوق حقدار کو معاف کر دے تو تجھے ہی دے دیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ کروڑوں حقوق جنّت کی ایک اینٹ

کے برابر بھی نہیں ہو سکتے وہ فوراً اپنا حق بخش دے گا اور دونوں مدعی مدعی علیہ خوشی خوشی ہاتھ ملا کر صلح کرنے کے بعد جنت میں چلے جائیں گے ۔۔۔ قربان جائیے ، اللہ بھی کیسا رحمان و رحیم اور حضورؐ بھی ہمارے حق میں کیسے رؤف و رحیم ہیں ۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین تمام مخلوقات اسی رحمۃ للعالمین کی برکات اور فیوضات سے مالامال ہو رہی ہے ۔ تو اس ذاتِ اقدسؐ نے ہماری نجات کیلئے کوئی کسر نہیں چھوڑی ۔ بشرطیکہ ہمارا رشتہ حضورؐ سے استوار ہو جائے ۔

حضورؐ سے ہمارا رابطہ کیسے ہو سکتا ہے ۔ اُس ذاتِ اقدس کے ساتھ ہمارا کچھ تو تعلق رابطہ اور کنکشن ہونا چاہئے ، وہ ذاتِ اقدس اب بھی گنبدِ خضریٰ میں اپنے تمام کمالات اور فضائل کے ساتھ قیام فرما ہیں اور ہمارا ان سے رابطہ ضروری ہے ۔ اور یہ رابطہ تب صحیح ہوگا کہ ہمارے اندر حضورؐ کی اطاعت اور محبت دونوں کا جذبہ پیدا ہو جائے ۔ یہ میرے سامنے بجلی کے دو تار ہیں ، ایک گرم اور ایک سرد ، دونوں جمع ہوں تو بجلی روشن ہو سکے گی ۔ اسی طرح ہمارے دل کا بلب جب رسول اللہؐ کے ساتھ دو تاروں سے ملے گا تو ہمارے قلوب نورِ ایمان سے منوّر ہوں گے ۔ رسول اللہ سے محبت گرم تار ہے ، اور اسکی اطاعت اور فرمانبرداری سرد تار ہے ۔ نہ صرف محبت سے کام چلتا ہے ، نہ خالص قانونی اطاعت سے ۔ مگر افسوس ہمارا تو سرے سے کنکشن ہی کٹا ہوا ہے ۔ اور حضورؐ سے تعلق تو وہ عجیب نعمت ہے کہ حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم نبی نے اسکی تمنا ظاہر فرمائی ، اور انبیاء سابقین نے اپنی امتوں کو وصیت کی کہ اگر حضورؐ کا زمانہ پاسکو تو ان کی اطاعت اور محبت میں کوتاہی نہ کرنا ۔ بلکہ انبیاءؑ سے خداوند کریم نے میثاق لیا کہ لتؤمننّ بہ ولتنصرنّہ ۔ کہ تم ضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے ۔

محترم بزرگو ! حضورؐ نے وصیت فرمائی کہ تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ، کتاب اللہ و سنتی ، اگر انہیں تھامے رکھو گے تو ہرگز گمراہ اور ہلاک نہ ہو گے ۔ ایک خدا کی کتاب جو اللہ کا کلام ہے ۔ جسکی تعلیم کیلئے خدا نے حضورؐ کو بھیجا اور پھر انسانوں ہی میں سے بھیجا ، اگر رسول کوئی فرشتہ ہوتا تو اسے انسانی حوائج و ضروریات اور انسانی جبلّت اور طبیعتوں کا اتنا اندازہ نہ ہوتا ۔ اور ایسی محبت نہ ہوتی جو رسول کو انسانوں ہی میں سے ہونے کی صورت میں ہے ۔

حضورؐ کا پہلا کام ۔۔۔ تو حضورؐ کا پہلا کام اللہ کے کلام اور کتاب کے سلسلہ میں یہ تھا کہ یتلوا علیہم آیاتہ ۔۔۔ اللہ کی آیات کی تلاوت ان سے کرانا ہے ، اور ظاہر ہے کہ جب انسان ایک چیز کو زبان سے پڑھتا ہے ، تو وہ چیز دل و دماغ میں سرایت کرتی جاتی ہے ، بشرطیکہ دل جو

ظرف اور برتن ہے وہ پاک اور صاف ہو۔ اگر برتن صاف اور پاکیزہ ہے تو اس میں دودھ ڈالا جائے گا، مگر پیشاب کے برتن میں پاکیزہ چیز نہیں ڈالی جاتی۔ تو یہ دل جو روح اور جسم کا مرکز ہے لطیف ہے، جب یہ پاکیزہ ہوگا تو قرآن اس میں اترے گا۔

دل کی حالت | دل کی عجیب حالت ہے، حسب ارشاد خداوندی ھل اتی علی الانسان حینٌ من الدھر۔ خداوند تعالیٰ نے جب حضرت آدم کے ڈھانچہ اور کالبد کو تیار کیا تو چالیس برس پڑا رہا، ابلیس آآکر اس ڈھانچے کے اردگرد چکر لگاتا جسم کے سوراخوں کو دیکھتا رہتا، پیٹ کو ٹھونکتا اور خوش ہوتا کہ چلو یہ تو اندر سے خالی ہے، اور میں ان راستوں کے ذریعہ انسان کو بھٹکانے میں کامیاب ہوں گا۔ مگر دل کو دیکھ کر پریشان ہوتا کہ یہ کیسی چیز ہے، اس میں گھسنے کا تو کوئی راستہ ہی نہیں۔ تو دل ایسی چیز ہے کہ اگر اسکی حفاظت ہو جائے تو شیطان کا کوئی حربہ کارگر نہیں ہوتا حدیث قدسی ہے کہ لایسعنی ارضی ولاسمائی ولکن یسعنی قلب عبدی المومن (اوکماقال) ——— تجلیات خداوندی کی متحمل نہ زمین ہوسکتی ہے نہ آسمان، البتہ میرے مومن اور صاف دل بندے کے دل میں میرا جمال اور تجلّی سما سکتی ہے ——— سورج کا عکس پہاڑ اور بڑے بڑے ہیکلوں اور عمارتوں میں نہیں آسکتا مگر ایک چھوٹے سے شفاف آئینہ میں سارے سورج کا عکس سما جاتا ہے۔ کیونکہ یہ لطیف پاکیزہ اور شفاف ہوتا ہے ——— حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تجلّی ذات باری کی خواہش ظاہر کی، خداوند کریم نے پہاڑ پر اپنی تجلّی کا ایک شمہ ظاہر کر دیا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوا۔ فلما تجلّی ربہٗ جعلہٗ دکاً۔ مگر دل اگر صاف ہو تو خدا کی تجلّی اس میں آجاتی ہے۔ اور ایک تہجد گزار وہ آوازیں سن سکتا ہے جو خداوند تعالیٰ بندے کی حاجت برآری کیلئے سحری کے وقت فرماتے ہیں۔

قلوب کا تزکیہ | ——— تو پیغمبر کا کام تلاوت کرانا تھا، اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ اسے دل و دماغ میں راسخ کرانے کیلئے قلوب کا تزکیہ بھی کراتا ہے کہ باطن صاف اور مستعد ہو کر اسے قبول بھی کر سکے، اور یہی وجہ ہے کہ دل آلائشوں سے آلودہ ہو تو صحیح علم اور دینی فقاہت بھی نصیب نہیں ہوسکتی۔ ؎

شکوت الی وکیع سوء حفظی　　　فاوصانی الی ترک المعاصی

دل اگر صاف ہو تو خدا کی تجلّی اس میں آجاتی ہے اور ایک تہجد گزار وہ آوازیں سن سکتا ہے جو خداوند تعالیٰ بندے کی حاجت برآری کے لئے سحری کے وقت فرماتے ہیں

اگر ہمارے دلوں میں فانی چیزیں اور فانی دنیا موجود ہو تو اس میں باقی اور ابدی چیز نہیں اتر سکتی کلامِ خداوندی باقی ہے اور جو اُس سے مرتبط ہوا وہ بھی باقی ہو گیا اور جو فانی چیزوں سے مربوط ہوا خواہ قارون وہامان یا امریکہ اور روس کا صدر کیوں نہ ہو، مٹ جائے گا۔ اس لئے حضورؐ کا دوسرا کام تزکیہ قلوب ہے۔

تعلیم کتاب | تلاوت اور تزکیۂ نفوس کے علاوہ تیسرا کام حضورؐ کا یہ تھا ویعلمہم الکتاب۔ حضور اپنی امت کو کتاب کی تعلیم بھی دیتے ہیں، آیات کی شرح و تفسیر بھی کرتے ہیں، مصداق اور مرادِ خداوندی بھی متعین کرتے، اس کی عملی صورت اور شکل بھی امت کے سامنے رکھتے۔ منکرین حدیث کو کون سمجھائے کہ اگر حضورؐ کا منصب تعلیم کتاب اور قرآن کی تبیین و تشریح کا نہ تھا تو یتلو علیہم کے بعد یعلمہم کی کیا ضرورت تھی ـــ حالانکہ خود کتابوں کے مطالعہ سے علم حاصل نہیں ہوتا اور نہ اسے تعلیم کہا جا سکتا ہے۔ ورنہ سب لوگ کتاب خرید کر مطالعہ کرتے، سکول یونیورسٹی کالج اور مدرسوں کی کیا ضرورت تھی ـــ استاد، مرشد اور پروفیسر کی کیا حاجت تھی ـــ تو قرآن کی تفسیر نبی کے تعلیم کئے بغیر محض تلاوت کے ذریعہ کیسے امت کی سمجھ میں آ سکتی۔ اور اب تو [illegible] تلاوت کو بھی عبث اور فضول کہا جانے لگا ہے۔ تعلیم کتاب کا حق بھی حضورؐ سے چھیننا چاہتے ہیں، رہ گئی تلاوت تو اسے بھی غیر اہم کہا جانے لگا۔ العیاذ باللہ تلاوت اور تعلیم دونوں نہ رہے تو رہ کیا جائے گا ـــ

اسلام بنیادی چیزوں پر زور دیتا ہے | حضورؐ نے وصال کے وقت کتاب وسنت پر عمل پیرا ہونے کی وصیت کی حالانکہ حضورؐ کے وصال کے وقت نئی نئی حکومت قائم ہوئی تھی۔ عرب ترقی کا محتاج ملک تھا۔ زرعی، تجارتی اور اقتصادی امور ان کے سامنے تھے۔ تو چاہیے تھا کہ کارخانوں اور ٹینکوں وغیرہ کے بارہ میں وصیت کرتے، اور اسلام ان چیزوں کا مخالف بھی نہیں۔ مگر وہ اصل اور بنیادی چیزوں کو لینا چاہتا ہے۔ کہ جب کتاب وسنت پر عمل رہے گا تو اس میں آخرت کے ساتھ دنیا کا ہر شعبہ بھی خود بخود آ جائے گا۔ آجکل لوگ غیر ضروری جزئیات کے پیچھے لگے ہوتے ہیں۔ اسی لئے کامیاب نہیں ہوتے۔ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی ایک عجیب مثال بیان فرمائی ہے کہ کہیں ایک کبوتر پھر رہا ہو اور آس پاس ہر طرف آئینے رکھے ہوں تو ہر آئینہ میں کبوتر چلتا پھرتا دکھائی دے گا ـــ اب ایک شخص کبھی ایک آئینہ کیطرف ہاتھ بڑھاتا ہے کہ کبوتر کو پکڑے اور کبھی دوسرے کی طرف مگر کبوتر ہاتھ میں نہیں آتا۔ ایسے شخص کی ساری

عمر اسی طرح برباد ہو جائے گی، اور اگر وہ اصلی کبوتر کو پکڑے تو ہر طرف نظر آنے والے کبوتر بھی اُسے اپنے ہاتھ میں دکھائی دیں گے کہ جب اصل ہاتھ میں آیا تو اس کے عکس بھی قبضہ میں آجائیں گے۔ اس لئے حضورؐ نے بنیادی طور معجزات کی بجائے اپنے علوم و معارف تعلیمات اور کتاب و سنت کو اپنی صداقت کے لئے پیش کر دیا کہ اہل علم عالمانہ شان کے مطابق حالات دیکھ کر آپ کی صداقت مان لیں گے۔ ہاں اگر مخاطب عوام میں سے ہے، کلیات کو سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتا تو مخاطب کی حیثیت کے مطابق اسے بھی سمجھانے سے انکار نہیں فرمایا۔ حضورؐ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور پوچھا حضور آپ پیغمبر ہیں۔؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ اُس نے کہا کہ اچھا اس ٹہنی کو اشارہ کریں کہ نیچے آجائے۔ حضورؐ کے اشارہ سے ٹہنی نیچے آگئی۔ اور وہ اعرابی ایمان لایا۔ رُکانہ ایک پہلوان تھا، آکر کہنے لگا کہ میں دلائل کو نہیں سمجھتا اگر آپ سچے ہیں تو مجھے پچھاڑ دیں اور وہ ایسا پہلوان تھا کہ گائے کے چمڑے پر جم جاتا اور لوگ اس کے قدموں کے نیچے سے چمڑہ کھینچتے تو چمڑہ پھٹ جاتا مگر اس کے قدم اپنی جگہ جمے رہتے۔ حضورؐ نے کبھی کشتی تو نہیں کی مگر چونکہ مخاطب ایسا ہے تو ایسے موقع پر استاد اور مرشد اپنے درجہ سے نیچے اترتا ہے تاکہ وہ سمجھ جائے اور اسے تنزّل کہتے ہیں۔ حضورؐ نے آہستہ سے ہاتھ ہلایا اور رُکانہ کو پچھاڑ دیا۔ اسکی تسلّی نہ ہوئی تو دوسری تیسری مرتبہ بھی اسے گرادیا اور اُس نے سر تسلیم خم کر کے کلمۂ شہادت پڑھ لیا۔ تو حضورؐ نے ملکی ترقیات اور منصوبوں کے بارہ میں وصیت نہیں کی مگر جب کتاب و سنت کا نام لیا تو اس میں اتحاد و اتفاق اور دشمن کے مقابلہ میں تیاری اور دنیاوی ترقیاں سب آگئیں ۔۔۔ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً بھی ہے کہ اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور اختلاف مت کرو اور اتحاد و استحکام ضروری ہے۔ مگر جب بنیاد ایمان بالکتاب نہ ہو تو مضبوطی حاصل نہ ہو گی۔ اصل اور جڑ کے بغیر شاخیں بے کار ہیں۔ حضرت موسیٰ اور افلاطون کے مناظرہ میں ہے کہ افلاطون نے سوال کیا کہ اگر آسمان کمان ہو اور مصائب و آفات تیروں کی طرح برسنے لگ جائیں اور کمان چلانے والا خدا ہو جس سے کوئی جگہ مخفی نہیں تو بچنے کی صورت کیا ہو گی تو حضرت موسیٰ نے جواب میں فوراً اصل علاج تبلایا کہ تیر چلانے والے کے دامن میں آجاؤ تو بچ سکو گے۔ افلاطون نے کہا کہ بیشک آپ خدا کے نبی ہیں، یہ جواب ہر کسی کے بس کا نہیں۔

کتاب و سنت ساری ترقیات کی جامع ہے

—تو مولانا الیاس مرحوم کا مطلب یہ ہے کہ اصل چیز کو پکڑ لیں تو سب نقلی چیزیں ساکن ہو جائیں گی۔ جب کتاب و سنت کو اپنا لوگے تو اس میں زندگی کے ہر شعبہ کی رہنمائی پاؤگے اور ہر چیز پر عمل آجائے گا۔ ہم جزئیات کو لئے پھرتے ہیں اور اس کے لئے کبھی اشتراکیت کے پیچھے بھاگتے ہیں کبھی مغربی تہذیب کے پیچھے حالانکہ اصل علاج اور ہے۔

شیخ الہندؒ کی وصیت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جن کے مساعی سے آج ہم آزاد ہیں، انہوں نے مالٹا سے واپسی کے بعد اور عمر بھر کے تجربات کے بعد فرمایا کہ دو چیزیں جب تک مسلمان نہ اپنائیں گے ان کی کامیابی اور ترقی ناممکن ہے۔ پہلی چیز قرآن کریم سے تعلق اسکی تلاوت، تعلیم اور اس پر عمل ہے، دوسری چیز اتحاد و اتفاق ہے اور یہ دوسری چیز بھی پہلی بات میں آجاتی ہے۔ اگر ستر کروڑ مسلمان کجسدٍ واحدٍ (ایک جسم کی طرح) متحد ہو جائیں تو ہر عضو کو دوسرے اعضاء کی تکلیف اور مصیبت کا احساس ہو گا۔ اور ایک عضو کی تکلیف پر سارا جسم بیدار ہو گا۔ اگر مشرقی پاکستان کے مسلمانوں کی تکالیف کا احساس مغربی پاکستان کو ہو اور انڈونیشیا کے مسلمانوں کی تکلیف سے عرب اور چین کا مسلمان بے چین ہو تو کیا ہم برباد ہو سکیں گے۔؟ صرف اگر مسئلہ جہاد کی اہمیت کا سب کو احساس ہو جائے، تو سب کا دکھ درد ایک ہو جائے گا۔ کہ ایک عورت کو بچانے کے لئے اور مسلمانوں کی زمین کی ایک بالشت کیلئے بتدریج سارے عالمِ اسلام پر جہاد فرض ہوتا ہے۔ عالمِ اسلام کا ہر خطہ مقدس اور محترم ہے۔ غرض یہ سب چیزیں قرآن پر عمل سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو بھائی بندی، ہمدردی، ایثار، قربانی اور اتحاد وغیرہ سب پر عمل ہو جائے گا۔ آج اگر سارے عالم میں طبقاتی تفاوت اور معاشی بے اعتدالی ہے تو کیا اس کا علاج قرآن و سنت میں نہیں، جن کی تعلیم ہے کہ ویطعمون الطعام علی حبہٖ مسکیناً و یتیماً و اسیراً۔ (کہ مسلمان اپنی خواہش اور ضرورت کے باوجود غریب، یتیم اور مسکین کو کھلا دیتا ہے۔) اور ارشادِ نبویؐ ہے: لیس المؤمن الذی یشبع وجارہٗ جائع الی جنبہ۔ وہ شخص مسلمان نہیں جو خود شکم سیر ہو اور اس کا پڑوسی بھوکا ہو۔ ارشاد باری ہے: ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ خود بھوکے ہیں مگر دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم سمجھتے ہیں —— تو ہمارے اندر اصل چیز یعنی کتاب اور سنت نہیں رہی جس کی وجہ سے یہ سارے فتنے اٹھ رہے ہیں۔ حضورؐ نے جاتے وقت کتاب کے ساتھ دوسری چیز سنت کی تاکید کی۔ سنت ہر وہ چیز ہے جو حضورؐ کی ذات کے ساتھ قولی یا فعلی یا تقریری طور پر تعلق رکھتی ہے۔ ما نسب الی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم،

قولاً و فعلاً و تقریراً۔ پھر صحابہ کرامؓ نے سنت کی کیسی اتباع فرمائی کوئی امت اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی۔ پھر جب تمام مسلمانوں کی ساری فلاح اور عزت حضورؐ کے صدقے سے ہے تو حضورؐ کی اتباع کیوں نہیں کرتے ۔۔ اور میں تو طلباء دین سے کہا کرتا ہوں کہ ہماری تو خوراک اور پوشاک بھی حضورؐ کے نام اور ان کے علم کے صدقے میں ہے۔ جیسے کہ قریش مکہ کو بیت اللہ کی نسبت اور مجاورت کی وجہ سے خدا نے نعمتوں سے مالا مال کیا لایلف قریش۔ الخ پھر اس کا تقاضا ہے کہ فلیعبدو ارب ھذا البیت کہ اس بیت کے رب کی عبادت بھی کرو جس کی برکت سے تم کھا رہے ہو۔

اتباعِ سنت غیرت کا تقاضا بھی ہے | اپنے محسن اور مقتدا کے طور طریقوں کو اپنانا صرف شرعی مسئلہ نہیں بلکہ غیرت کا تقاضا بھی ہے۔ چین کا وزیر اعظم یہاں آیا، راستہ میں کہیں چین کا ایک کاغذی جھنڈا پڑا تھا اٹھایا، چوما اور سیکرٹری کو دیدیا کہ اسے سنبھالو۔ وہ اپنے ملک کا جھنڈا زمین پر برداشت نہ کر سکا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب داڑھی میں کیا رکھا ہے۔ تو میں کہتا ہوں اس کاغذی جھنڈا میں کیا رکھا تھا۔ مگر اُسے تو کسی نے نہیں کہا کہ یہ تنگ نظری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

لایؤمن احدکم حتی اکون	تم میں سے کوئی اس وقت تک مسلمان نہیں
احب الیہ من والدہ وولدہ	ہو سکتا جب تک میں اسے اپنے باپ
والناس اجمعین۔	بیٹے اور ساری مخلوق سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔

اور یہ حضورؐ سے محبت، اتباع سنت اور حضورؐ کی تعلیم کی برکت تھی کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے بعض عمال عمر بھر حکومت کے دوران بھی صرف جَو کی روٹی کھاتے رہے کہ جب تک یقین نہ ہو جائے کہ رعایا کے ہر فرد کو گیہوں کی روٹی ملی ہے، جَو کی روٹی ہی کھائیں گے ۔۔ یہ حضرت عمرؓ ہیں کہ آج بھی تقریباً ۵۰ ہزار مربع میل زمین ان کی برکت سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ اور یہ اس لئے کہ خود حضورؐ کا یہی حال رہا۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضورؐ وصال کی رات گھر میں روشنی کے لئے تیل کسی پڑوسی سے مانگا گیا۔ گیہوں کا آٹا کسی سے مستعار لیا گیا کہ شاید حضورؐ اس کا ایک نوالہ کھا سکیں، زرہ مبارک وصال کے وقت ایک یہودی کے پاس ۳۰ صاع جَو کے بدلے گروی ہے۔ صحابہ کرامؓ کا تو بڑا اونچا درجہ ہے۔

اکابر کی اتباعِ سنت | ابھی قریب میں ہمارے اکابر اور علماء حق نے حضورؐ کی کن کن

طریقوں سے اتباع فرمایا۔ دین کے لئے ان حضرات نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ یہ لوگ نہ ہوتے تو انگریز کو نکالنا ممکن ہوتا۔ ابھی کل ہم نے ڈھاکہ میں شہداء کی یادگار دیکھی جہاں بیک وقت چالیس علماء کو پھانسی پر لٹکایا گیا تھا۔ پھر حضورؐ کے علوم کس حال میں حاصل کئے حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتویؒ دہلی میں حلوائی کی دوکان کی روشنی میں مطالعہ کرتے، اگرے پڑے ساگ کے پتے اٹھا کر دھو لیتے اور پکا لیتے، ضعف کے مارے جامع مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھنے کی ہمت نہ ہوتی، ان حالات میں دین سیکھ کر ہم تک پہنچایا۔ ان کا ذمہ فارغ ہوا اور آپ لوگوں کو یہ امانت سپرد کر دی گئی — اور ان قربانیوں کا نتیجہ ہے کہ ——

اکابر کی قربانیوں کا ثمرہ | جس ملک میں بھی انقلاب آیا اس کے ساتھ دین میں بھی انقلاب آیا۔ مگر برصغیر کے مسلمانوں کا دین انگریز کی غلامی کے باوجود محفوظ رہا اور محفوظ ہے۔ یہ ان علماء ہی کی برکت ہے۔ اور یہ جو ہزاروں پراگندہ حال مسلمان یہاں بیٹھے ہیں اہل باطل کے پاس ان کھوپڑیوں کا علاج نہیں۔ انبیاء نے سب کچھ خالص اللہ کے لئے کیا اور کوئی اجر نہ لیا قل لا اسئلکم علیہ اجرا میں تم سے کوئی اجر تبلیغ پر نہیں لاتا۔ ہمارے اکابر نے بھی حضورؐ کی اتباع میں ایسا ہی کر دکھایا۔ اور یہ ان کی قربانیوں کا ثمرہ ہے کہ دین کے مراکز ملک کے گوشہ گوشہ میں قائم ہے سنا ہے کہ دو ڈھائی لاکھ دیوبند سے وابستہ علماء اس خطۂ مشرقی پاکستان میں موجود ہیں اگر آج بھی یہ سب علماء اور ان کے متبعین متفق و متحد ہو کر استقلال و ثبات سے کام کریں اور حضورؐ کے وارث اپنے مورث کا عکس اپنے اندر پیدا کر دیں تو اسلام کا پرچم ہر طرف لہرا سکتا ہے۔ حضورؐ نے سختی کو برداشت کیا صبر و تحمل اختیار فرما کر اپنا فریضۂ تعلیم و تبلیغ پورا فرمایا اور آج بھی یہی پائیدار چیز ہے کہ تعلیم قرآن و تبلیغ دین پر بہت توجہ دی جائے۔ انگریز یہاں سے چلا گیا ہے۔ مگر اس کی تہذیب موجود ہے اور یہ سارا نتیجہ اسی کی تعلیم کا ہے —— (نامکمل)

قرآنِ کریم اور امنِ عالم

- امنِ عالم کیلئے قرآن کے اصولی و فروعی قوانین
- مسلمانوں کی مشکلات کا قرآنی حل
- خود اعتمادی، وحدتِ اسلامی، اتحاد اور اسلامی وفاق کی تشکیل، فنی اور معاشی امور، روحانی قوت، انسانی حقوق کی ادائیگی۔

از خامہ حضرت علامہ شیخ التفسیر مولانا شمس الحق افغانی مد ظلہٗ

تعلیماتِ قرآن | اعجازِ قرآن کے بعد اب تعلیمات میں سے صرف ان اصولِ قرآنی کو بیان کرتے ہیں جن پر امنِ عالم کا مدار ہے۔ آج جس قدر امن کی ضرورت ہے اس سے قبل کبھی انسان کو امن کی اتنی ضرورت پیش نہیں آئی جسکی وجہ یہ ہے کہ سائنسی آلاتِ حرب نے دنیا کو جہنم کدہ بنادیا ہے اور اس کی وجہ سے زمین پر انسان کا زندہ رہنا ناممکن ہوگیا ہے۔ انسان کیلئے امن سب سے مقدم اور اہم ضرورت ہے — کل انسانی نعمتیں امن کی تابع ہیں۔ اگر امن نہ ہو تمام ترقیات جو اب تک انسان نے کی ہیں وہ سب ہیچ اور عبث ہیں ترقیات اور نعمتیں انسان کی زندگی کے لئے ہیں جب خود زندگی خطرے میں ہو تو سب نعمتیں بیکار ہیں۔

سائنسی ترقی نے ہمیں امن سے محروم کردیا | موجودہ سائنسی ترقی کی بے راہ روی نے انسان کو بہت کچھ دیا لیکن اسکو امن سے محروم کردیا، اس لئے کہ جن آلاتِ حرب کو سائنس نے مہیا کیا ان کو استعمال کرنے والے انسان کو انسانی اقدار اور انسانی اخلاق اور انسانی فطرتِ صحیح سے محروم کیا، ایسے انسانوں کو مسلح کرنا ڈاکو کے مسلح کرنے سے زیادہ خطرناک ہے۔ اور ڈاکو کو مسلح کرنا انسانیت پر ظلم ہے۔ بقول حضرت رومیؒ —

بد گہر را علم و فن آموختن ۔۔۔ دادن تیغ است بدستِ راہزن

جب سے جدید تہذیب رونما ہوئی دنیا بحیثیت مجموعی کسی وقت بھی انسانوں کے خون بہانے سے باز نہیں رہی ——

۱— صرف گذشتہ ایک جنگِ عظیم کے نقصانات مغربی جرمنی کے ڈاکٹر از منسٹر کی

رپورٹ جو اقوام متحدہ کے حکم سے مرتب ہوئی ہے (مندرجہ انجام ۸ اپریل ۱۹۵۳) کے مطابق اس جنگ میں چھ کروڑ انسان مقتول اور مجروح ہوئے۔ پندرہ کروڑ انسانوں کے گھر جل کر خاک ہو گئے ڈھائی کروڑ انسان جلاوطن کئے گئے۔ (اقوام متحدہ کے کمیشن کی رپورٹ)

۲ ۔ ۳ دسمبر ۱۹۵۱ء میں پیرس اتحادی اسمبلی کے اندر چینی نمائندہ نے اعلان کیا کہ کمیونسٹ چین نے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی پر لٹکایا۔ (رپورٹ کمیونسٹ چین مندرجہ انجام ۵ دسمبر ۱۹۵۱ء)

۳ ۔ سٹالین نے کمیونزم کیلئے ۵ کروڑ مسلمانوں کا خون بہایا۔ (کوہستان ۱۳ نومبر ۱۹۶۰ء)

۴ ۔ سائنس دانوں کی عالمی کانفرنس بمقام پگواش امریکہ میں برطانوی سائنس دان سر رابرٹ واٹسن واٹ بیولاجیکل وارفیر نے کیمیائی جراثیمی بم ۸ اونس (تقریباً تین چھٹانک) پیش کر کے اعلان کیا کہ یہ بم پوری کرۂ ارضی کی تباہی کیلئے کافی ہے جسکو ایک چھوٹی حکومت بھی بنا سکتی ہے۔ (مقالہ افتتاحیہ کوان ۵ ستمبر ۱۹۵۹ء)

یہ تو ماضی کی داستان ہے مستقبل میں اسلحہ کی تیاری کی جو دوڑ جاری ہے اور میزائل اور ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم کے جو ذخائر جمع کئے گئے ہیں وہ موجودہ دنیا جیسی بیسوں دنیاؤں کو تباہ کرنے کیلئے کافی ہے۔ ایسی جنگ ہمیشہ ظلم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اور ظلم روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ منافقت کو کمال سمجھا گیا اس لئے مصالحت کا کوئی معاہدہ کارآمد نہیں ہو سکتا کہ جنگ کو اس کے ذریعہ روکا جا سکے۔

اب تعلیمات قرآن کے سلسلہ میں اہم ترین چیز یعنی بین الاقوامی امن کے متعلق ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ قرآن اس کے متعلق کیا حل پیش کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کے تمام مطالب پیغام امن ہیں۔ اور اسکی ہر تعلیم میں عالمی امن جلوہ گر ہے۔ لیکن اختصار کے پیش نظر ہم صرف سورۂ حجرات کی ایک آیت اور اسکی تشریح پر اکتفا کرتے ہیں۔ جس سے بخوبی ظاہر ہو گا کہ قرآن نے کس خوبی کیساتھ عالمی امن کا عقدہ حل فرمایا۔

قرآن کی تعلیمات عامہ امن کی بنیاد ہے | جیساکہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ پورے قرآن اور مکمل دین اسلام کا پیغام امن ہے۔ یہ بات تفصیلات بیان کئے بغیر صرف دو چیزوں سے واضح ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ قرآن جس دین کی دعوت دیتا ہے، اس کے دو نام ہیں۔ ایمان اور اسلام یہ دونوں الفاظ امن و سلام سے ماخوذ ہیں جو ان دونوں کا مجرد ہے اور ہر لقبی نام اپنے مسمی کو واضح کرتا ہے۔ جیسے مفرح یاقوتی لقبی نام ہے جو اس امر کو واضح کرتا ہے کہ اس نام کی مرکب دوا کا

مقصد تفریح قلب اور دل کو قوت و فرحت عطا کرتا ہے۔ اسی طرح ایمان و اسلام جن امور کا مجموعہ ہے۔ ان سب سے مقصود امن ہے۔ زندگی کے تمام ادوار میں خواہ دنیا ہو یا قبر و برزخ اور آخرت یعنی یہ دین انسانی زندگی کے تمام مراحل و منازل میں امن و سلامتی عطا کرتا ہے۔ گویا ایمان اور امن لازم ملزوم ہیں۔ سورۃ انعام کی آیت ہے:

الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولٓئک لہم الامن وھم مہتدون۔

جو لوگ ایمان لائے اور اس کے ساتھ شرک کو نہیں ملایا ان کو امن اور ہدایت ضرور نصیب ہوں گے یہ آیت ایمان کا مقصد امن کو صاف ظاہر کرتی ہے۔

امن عالم اور قرآن کی تعلیم خاص اس عموم کے بعد سورۃ حجرات کی وہ خاص آیت یہ ہے:

یا ایھا الناس انا خلقناکم من ذکر وانثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر۔

اے انسانی اقوام میں نے تم سب کو پیدا کیا ہے ایک باپ اور ماں سے پھر بنایا تم کو قومیں اور ذاتیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو تم میں سب سے زیادہ صاحب عزت و شرافت وہ ہیں جو سب سے زیادہ قانون الہی پر چلنے والے ہوں۔ یقیناً اللہ تمہارے ظاہری حالات کا عالم اور باطنی ارادوں سے واقف ہے۔

تعلیمات قرآن کی صرف یہ ایک آیت ان تمام اصول کی جامع ہے، جن پر عمل پیرا ہو کر چند لمحات میں اقوام عالم حقیقی امن کو پا سکتی ہیں۔ اس آیت میں جن اصول کو بیان کیا گیا ہے۔ ان میں پہلی چیز لفظ ناس کی تعبیر سے امن کی دعوت دینا ہے۔ ناس عربی لفظ ہے جو انس الفت اور محبت کا معنی رکھتا ہے۔ عربی شعر ہے ؎

وما سمی الانسان الا لانسہ ۔۔۔ وما القلب الا انہ یتقلب

انسان کو انسان انس اور الفت کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اور دل کو قلب اس لئے کہا جاتا ہے۔ جو حق کیطرف پلٹتا ہے۔

یعنی انسان کا فطری خاصہ الفت و محبت اور شفقت باہمی ہے اور قلب کا فطری خاصہ حق کو قبول کرنا اور اسکی طرف پلٹنا ہے۔ جو انسانی قوم دیگر انسانی اقوام کی رحمت و شفقت سے خالی ہو وہ انسان نہیں اور جو انسانی قلب حق کیطرف جھکے نہیں وہ انسانی قلب نہیں حیوانی قلب ہے۔ اس لفظ سے جو پہلا اصل اور اولین سبق حاصل ہوا وہ یہ ہے۔ کہ حقیقی انسان وہ ہے جو دوسرے انسانوں

سے محبت رکھے خواہ اسکی قوم اور ملک، کا فرد ہو یا دیگر قوم یا ملک سے متعلق ہو کیونکہ سب قومیں اور سارے ملکوں کے باشندے انسانیت میں شریک ہیں۔

دوسرا اصل یہ معلوم ہوا کہ بین الافرادی یا بین الاقوامی یا بین الدولی معاملات میں انسانی قلب و ضمیر کا فطری تقاضا یہ ہے کہ وہ حق کی طرفداری کرے چاہے حق کمزور ہو اور اقلیت میں ہو اور معاملہ کا تصفیہ صرف انسانیت کی بنیاد پر اور انسانی محبت کے جذبے کے تحت ہو نہ کہ قومیت اور وطنیت یا سیاسی مفاد یا جتھ بندی کی بنیاد پر۔

تیسرا اصل وحدت بشریہ کا اصول ہے کہ پوری انسانیت وسیع النظری کے تحت ایک ہی وحدت ہے۔ جو ناقابلِ تقسیم ہے۔ قومیت وطنیت، لونیت، لسانیت یعنی قوم، جغرافیہ، وطن، رنگ یا زبان کی دیواریں اس وحدت میں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ اور یہ چاروں امور وحدت بشری کو ٹکڑے کرنے کیلئے نہیں تاکہ ان تفریقات کے ذریعہ انسان کو انسان کا دشمن بنایا جائے۔ بلکہ

رنگ و نسل کی تفریق میں حکمت | ہر ایک میں قدرت نے جدا جدا حکمتیں رکھی ہیں، اس سے کسی قوم کے کمال یا برتری کا ظہور مقصود نہیں۔ انسان فاعل مختار ہے۔ اور فاعل مختار خواہ فرد ہو یا قوم اسکی برتری اور کمال اور خوبی کا دار و مدار اس کے اپنے افعال سے ہو گا نہ کسی اور کے فعل سے کسی فرد کا خاص قوم یا جغرافی علاقے میں پیدا ہونا اس کا اپنا فعل نہیں، بلکہ خالق کائنات کا فعل ہے۔ کہ اس نے اس کو خاص قوم اور خاص خطۂ زمین میں پیدا کیا۔ اسی طرح کسی خاص رنگ مثلاً سفید یا خاص زبان کا عطا کرنا فعل خداوندی ہے۔ ان چیزوں پر نہ کسی فرد کو اور نہ کسی قوم کو یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ اپنے کو برتر اور دوسروں کو ذلیل سمجھے اور وحدتِ انسانی کو پارہ پارہ کر کے خدا کی زمین کو انسانوں کیلئے جہنم بنا دے۔ قوموں کا تعدد جیسے کہ اس آیت میں بیان ہوا تعارف کیلئے ہے کہ قومیتوں کے ذریعہ ایک دوسرے کی پہچان ہو اور ادا حقوق ہو۔ — روح المعانی میں تعارفوا کے بعد ذکر ہے دتوادوا۔ تاکہ اس پہچان کے ذریعہ ایک دوسرے سے محبت کرو یہ نہیں کہ اس تعارف کے ذریعہ ایک دوسرے کیساتھ لڑو۔ دنیا میں عام قاعدہ ہے کہ دو آدمیوں کے درمیان تعارف دوستی اور محبت بڑھانے کیلئے ہوتا ہے نہ کہ جنگ اور قتال کیلئے لڑنے کیلئے تعارف کی ضرورت نہیں اور اگر خواہ مخواہ قومیت کو پیشِ نظر رکھنا ہے تو تمام انسانوں کی قومیت ایک ہے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، یعنی آدم و حوا علیہ السلام کے۔

بشری وحدت کے اسباب | اس آیت میں وحدتِ انسانی کے مختلف اسباب بیان کئے

گئے ہیں۔ ۱۔ انسانیت کی وحدت، ۲۔ خالق کی وحدت یعنی خالق کائنات کے ایک ہی کارخانہ تخلیق میں تم سب بنے ہو۔ ۳۔ نسلی وحدت یعنی ایک ماں باپ کی اولاد ہو۔

ارشاد ہے: یا ایہا الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفو۔ یعنی قومی اور قبائلی تقسیم قتال و جدال کے لئے نہیں تعارف اور محبت باہمی کیلئے ہے۔ یہی وہ اعلان ہے جس نے تمام اقوام عالم کو ایک خاندان قرار دیا اور سب کا وطن بھی درحقیقت ایک ہی قرار دیا گیا یعنی کرۂ زمین۔

ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین۔ ... تم سب اقوام کیلئے خدا کی زمین وطن اور قرارگاہ ہے۔ اور سب کیلئے اس میں سے مقررہ وقت تک زمین سے فائدہ اٹھانا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی وحدت کی مزید تشریح فرمائی۔ ارشاد فرمایا کہ:

الناس عیال اللہ فاحسن الناس من احسن الی عیالہ۔ ... تمام قومیں اور سارے انسان خدا کا کنبہ ہے سب لوگوں میں بہتر وہ ہے جو اللہ کے کنبے سے بھلائی کرے۔

حدیث ہے:

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا للاحمر علی الاسود ولا لاسود علی الاحمر۔ عربی کو غیر عربی پر برتری نہیں اور غیر عربی کو عربی پر برتری نہیں۔ گورے کو کالے پر نہیں اور کالے کو گورے پر نہیں۔

یہ انسانی حقوق کی وہ دستاویز ہے کہ اس کا اعلان سب سے پہلے قرآن اور صاحب قرآن نے کیا اور استقدر ترقی اور دعوٰی مساوات کے باوجود تہذیب جدید کی تعلیم یافتہ قومیں اب تک ان انسانی حقوق کی عطاء کردگی کی راہ میں عملاً حائل ہیں۔ مرکز تہذیب جدید امریکہ میں کالے لوگوں کے ساتھ جانور سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے۔ یورپ کی قومیں ایشیاء اور افریقہ کے باشندوں کو انسان نہیں سمجھتیں نہ ان کے خون بہانے اور حقوق غصب کرنے کو جرم سمجھتی ہیں۔ بھارت میں غیر ہندو ملیچھ اور ناپاک سمجھے جاتے ہیں اور ہندوؤں میں بھی شودر کو انسان نہیں سمجھا جاتا۔ بھارت میں جانوروں کو زندگی کے جو حقوق حاصل ہیں وہ غیر ہندوؤں خاص کر مسلمانوں کو حاصل نہیں۔ مسلمانوں کا خون بے دریغ بہایا جاتا ہے۔ اور روزانہ اخبارات میں ان کے قتل و غارت کے واقعات آتے

رہتے ہیں۔ لیکن بدترین حیوانات یعنی کتوں تک کی خونریزی کا واقعہ سننے میں نہیں آتا ہے۔ کیا یہ انسانی تہذیب ہے۔؟

نسل و قومیت اور وطنیت کا بت | اس صدی میں تہذیب جدید کے نام سے جسقدر لڑائیاں ہوئیں یا آئندہ ہوں گی وہ سب نام نہاد قومیت اور وطنیت کے بت کی کارفرمائی ہے۔ کوریا اور ویٹ نام پر مہذب امریکہ کے ہاتھوں کئی ہزار میل دور سے جو مظالم ڈھائے گئے اور بیشمار بچے عورتیں اور عام شہری تباہ کئے گئے، یہ کیوں۔؟ صرف اس لئے کہ امریکی قوم اور امریکہ نام کے ملک کی برتری قائم ہو گیا امریکی قوم اپنے ملک والوں اور اپنی قوم کیساتھ یہ برتاؤ جائز رکھ سکتی ہے۔

امریکہ اور برطانیہ نے یہود کو مسلح کر کے ان سے عربوں پر حملہ کرایا اور ہزاروں عربوں کو قتل کرایا اور لاکھوں کو اپنے گھروں اور جائدادوں سے محروم کرایا اور خود اسرائیل کا وجود جس کے لئے امریکہ برطانیہ نے اپنے ملکوں میں سے چن چن کر یہود کو لاکر آباد کرایا۔ حالانکہ امریکہ میں کافی وسیع رقبہ موجود تھا اور نہ صرف عرب باشندوں کو ملک سے نکال کر وہاں یہود کو بسایا بلکہ ان کی حکومت بنائی اور اسکو قوی اور مسلح کیا تاکہ پورے عرب کیلئے وہ ناسور بنی رہے۔ کیا امریکہ اور برطانیہ اپنی قوم اور اپنے ملک کے ساتھ ایسا طرز عمل کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں، یہ محض اس لئے کیا کہ ان دونوں نے اپنی قوم کا مفاد عرب کو تباہ کرنے اور یہود کی حکومت بنانے میں مضمر سمجھا۔ اسی قومی حقیر مفاد نے انکو پوری عرب قوم کو تباہ کرنے پر آمادہ کیا۔

انڈونیشیا میں امریکہ نے خانہ جنگی کرائی جس میں دس لاکھ مسلمان قتل ہوئے یہ صرف اس لئے کہ امریکہ کا قومی مفاد اسی میں تھا کہ سکارنو کی حکومت ان کے مزاج کے مطابق نہ تھی۔

ماہ ستمبر میں بھارت سے پاکستان پر حملہ کرایا گیا تاکہ پاکستان ختم ہو جسکا جرم صرف یہ تھا کہ اس نے اپنی بقاء کیلئے غیر جانبدار پالیسی اختیار کی اور سب پڑوسی حکومتوں کیساتھ جن میں چین بھی شامل ہے، دوستانہ تعلقات رکھے۔ پھر عجیب یہ کہ ان تمام مظالم اور جارحیتوں کے خلاف کسی بڑی حکومت نے ناراضگی کا اظہار تک نہیں کیا بلکہ اقوام متحدہ میں مذمت کے متعلق بحیثیت مجموعی ایک لفظ بھی نہ کہا گیا جو عالمی انصاف کا سب سے بڑا ادارہ ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ تہذیب جدید نے انسانیت کا خاتمہ کر دیا ہے اور اقوام متحدہ کے ارکان میں یہ جرأت بھی نہیں کہ وہ ظلم کو ظلم اور برے کو برا کہہ سکے۔ یہ ہے لادین مادی تہذیب کی اخلاقی موت ــــــ

تفوق انسانی مقصد تخلیق یعنی تقویٰ سے وابستہ ہے | مذکورہ آیت میں ان اکرمکم عند اللہ

اتقاکم کہہ کر قرآن نے انسان کی اصلی شرافت وکرامت کا معیار پیش کیا کہ وہ تقویٰ اور خالق کائنات کے قانون عادلانہ کی تابعداری ہے۔ یہی تقویٰ اور اطاعت خداوندی انسان کی تخلیق کا مقصد ہے اور مقصدیت سے ہر شے کی قیمت کا تعین کیا جاسکتا ہے۔ گائے کی تخلیق کا مقصد دودھ دینا ہے۔ لہذا وہی گائے قیمتی ہے جو زیادہ سے زیادہ دودھ دے۔ گھوڑے کی تخلیق کا مقصد تیز رفتاری ہے۔ جو گھوڑا تیز رفتار نہ ہو یا جو گائے دودھ نہ دے اسکی کوئی قیمت نہیں۔ اس طرح جو انسان مقصد تخلیق کو پورہ نہ کرے وہ بے قیمت ہے۔ خواہ کسی نسل اور قوم کا ہو اور خواہ کسی یورپ اور امریکہ کا باشندہ ہو یا افریقہ اور ایشیا کا، خواہ سفید رنگ ہو یا سیاہ فام۔ خواہ انگریزی بولتا ہو یا حبشی زبان۔ بدامنی کا بڑا سبب مقصدِ تخلیق یعنی تقویٰ کی فراموشی ہے۔

استحضار مسئولیت | بدامنی کا بڑا سبب یہ ہے کہ موجودہ تہذیب نے اخلاقی اقدار کو ختم کر کے انسان کو حیوانات کیطرح غیر مسئول بنادیا اور کسی قوم یا فرد کے ذہن میں تصور نہیں کہ کارخانہ عالم کا ایک مالک قادر مطلق موجود ہے۔ اور پوری کائنات اور تمام اقوام عالم اسکی رعیت ہے۔ لہذا اگر کسی پر کسی قسم کا ظلم کیا گیا تو ضرور اسکی بازپرس ہوگی، اور جواب دہی کی جائیگی اسی جذبۂ مسئولیت پیدا کرنے کیلئے ارشاد ہوا کہ ان اللہ علیم خبیر۔ کہ خدا ہر قوم اور فرد کے ظاہری حالات کا عالم اور باطنی اور پوشیدہ ارادات سے واقف ہے جو سب کچھ اس نے کیا وہ علم الٰہی میں ہونے کے علاوہ اس کے فرد اعمال اور ریکارڈ میں بھی درج ہو کر احکم الحاکمین کے آگے پیش ہوگا۔ جس کے قانونِ سزا سے کوئی بچانے والا نہیں۔ اب ہم امنِ عالم کے لئے قرآنی ہدایات ذرا تفصیل سے لکھتے ہیں۔ اور قرآن کے قوانین امن کے قرآنی ماخذ بھی لکھتے ہیں جو ترتیب وار حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ انسانیت کی روح محبت انسان کو نصب العین بناؤ۔ ماخذ یاایہا الناس۔

۲۔ وحدتِ انسانیت کا تصور بلحاظ وحدت خالق و وحدت اصل انسانی و وحدت وطنِ اصلی۔ ماخذ اناخلقناکم من ذکر وانثیٰ ولکم فی الارض مستقر ومتاعٌ الیٰ حین۔

۳۔ قومی اور قبائلی رشتوں کو مدار شرافت اور معیار تفوق مت بناؤ بلکہ ذریعہ تعارف ومحبت بناؤ۔ ماخذ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا۔

۴۔ انسان کی قیمت اور شرافت کی بنیاد تقویٰ اور اطاعت احکام خالقِ کائنات ہے۔ ماخذ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

۵۔ انسان ہر فعل وعمل میں خالقِ کائنات کے آگے اپنے کو جواب دہ سمجھے اور مکافاتِ عمل اور قانونِ مجازات سے غافل نہ ہو۔ ماخذ۔ ان اللّٰہ علیم خبیر، فلا تحسبن اللّٰہ غافلاً عما یعمل الظالمون۔ وضرب اللّٰہ مثلاً قریۃ کانت آمنۃً مطمئنۃً یاتیہا رزقہا رغدا من کل مکان فکفرت بانعم اللّٰہ فاذاقہا اللّٰہ لباس الجوع والخوف بما کانوا یصنعون (نحل ج ۱۴) ترجمہ:۔ "اللہ جل جلالہ کو ظالموں کے اعمال سے غافل مت سمجھو۔ اللہ مثال بیان کرتا ہے ایک بستی کی جو تھی چین اور امن سے چلی آتی تھی ان کو روزی فراغت کی ہر جگہ سے پھر چکھایا اللہ نے کہ ان کے تن کے کپڑے ہو گئے بھوک اور ڈر بدلہ اسکا جو وہ کرتے تھے"۔

یہی سزا اس دنیا میں ہم آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اس خدا فراموش تہذیب کے دلدادگان کی کہ ہر وقت ہیں ایٹمی جنگ کے خوف سے کانپتے رہتے ہیں۔ بھوک کا یہ حال ہے کہ اقوامِ متحدہ کی سماجی رپورٹ مندرجہ انجام کراچی کے مطابق اس وقت دنیا کی نصف آبادی بھوک اور بیماری میں مبتلا ہے (انجام ۱۰ رمئی ۱۹۵۳ء)

یہ خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی سزا کہ خدا کا دیا ہوا مال شیطانی مصارف میں صرف کر رہے ہیں جسکی دلیل مندرجہ ذیل واقعات ہیں:۔

۱۔ امریکہ نے جنگ کی تیاری میں ۱۹۵۱ء میں نوے کھرب ڈالر خرچ کرنے کا اعلان کیا۔ (کوثر ۵ر اپریل ۱۹۵۲ء) اور اب تو اس خرچ میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

۲۔ انگلستان سالانہ شراب پینے پر ۴ ارب ۴، کروڑ روپے خرچ کرتا ہے۔ (سچ ۳ر مئی ۵۲ء) اب یہ خرچ کئی گنا بڑھ گیا ہے۔

۳۔ امریکہ اور چند دیگر ریاستیں سالانہ سگرٹ نوشی پر پچاس ارب ۵۲ کروڑ پچاس لاکھ روپے خرچ کرتا ہے۔ (انجام ۱۰ر فروری ۱۹۵۵ء)

۴۔ یورپی دنیا تیس ارب ڈالر سالانہ جوابازی کی نذر کر دیتی ہے۔ (کوہستان ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۸ء)

۵۔ امریکہ سالانہ شراب نوشی پر ۱۹ ارب، نوے کروڑ ڈالر خرچ کرتا ہے۔ (امریکی رپورٹ پاسبان کوئٹہ ۳ر ستمبر ۱۹۵۸ء)

۶۔ ملکہ الزبتھ ۳۹ وال کی تاجپوشی کے صرف ایک موقعہ پر ۳۴ کروڑ روپے کی شراب پلائی گئی۔ (رپورٹ مندرجہ امروز ۳ر جون ۱۹۵۳ء)

۷۔ امریکہ کتوں کی تفریح پر ۵۲ کروڑ اور ان کے کمبلوں پر ڈیڑھ کروڑ ڈالر سالانہ خرچ کرتا ہے (نقاد لاہور ۱۹۵۳ء)

عالمی امن کیلئے فروعی قوانین | جنگ کا اصلی سبب ظلم ہے اگر ہر قوت اپنی حدود کے اندر ہے اور کسی طاقتور کیطرف سے کمزور پر ظلم نہ ہو تو جنگ کی نوبت نہیں آتی۔ اس لیے موجودہ جنگ اور ظلم لازم وملزوم ہے اور امن وعدل لازم وملزوم ہے۔ اس لئے اسلام نے سب سے پہلے ظلم کا دروازہ بند کرنے کیلئے قوانین عطا فرمائے۔

بندش ظلم | ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ الا لعنۃ اللّٰہ علی الظالمین۔ ظالموں کیلئے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے والظالمین اعد لھم عذابا الیما۔ ایسی دیگر آیات بھی ہیں جن سے انسان کے دماغ میں ظلم کی قباحت راسخ کرنا مقصود ہے تاکہ کوئی ظالمانہ فعل کیطرف اقدام نہ کر سکے۔ پھر اگر کسی ظالم فرد یا جماعت کیطرف سے ظلم واقع ہو تو اس کے ازالہ کیلئے قرآن نے بے لاگ قانون عدل کے احکام دئے ازالۂ ظلم کیلئے سب سے پہلی چیز ظلم کو ظلم کہنا اور اسکو ظلم ثابت کرنا ضروری ہے اور یہ اس کے بغیر ممکن نہیں کہ انسان کے اندر جذبۂ حق گوئی کو ابھارا جائے تاکہ اثبات ظلم کیلئے وہ سچی شہادت دے سکے اس لئے قرآن نے شہادت حق کا حکم دیا۔

شہادت حق واقامۃ عدل | ولا تکتموا الشھادۃ ومن یکتمھا فانہ آثم قلبہ" اور سچی شہادت اور اظہار حق کو مت چھپاؤ، جس نے ایسا کیا تو اسکی صرف زبان نہیں بلکہ دل نے بھی جرم کا ارتکاب کیا۔" ——— آج اقوام متحدہ میں ظلم کا ازالہ اس لئے نہیں ہوتا کہ بڑی بڑی حکومتیں شہادت حق چھپاتی ہیں اور کسی کو جرأت نہیں ہوتی کہ اسرائیل کے حملے یا بھارت کے حملے کو جارحیت کہے کیونکہ سیاسی مصالح حق گوئی کی اجازت نہیں دیتے۔

چونکہ سیاسی مصالح یا قومیت کی رعایت یا جتھہ بندی کا لحاظ رکھنا شہادت حق کا مانع ہوتا ہے۔ اس لئے قرآن نے مصلحت عامہ کے پیش نظر ذاتی یا قومی اغراض کے برخلاف شہادت حق دینے پر زور دیا کیونکہ ان اغراض اور مفادات کی وجہ سے اگر شہادت حق معطل ہو جائے، تو عدل وانصاف عالم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ لہٰذا فرمایا:

تعلقات مانع شہادت حق نہ ہونا چاہیے | یا ایھا الذین امنوا کونوا قوامین بالقسط شھداء للّٰہ ولو علی انفسکم او الوالدین والاقربین ان یکن غنیا او فقیرا فاللّٰہ اولی بھما فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا وان تلووا او تعرضوا فان اللّٰہ کان بما تعملون خبیرا۔ (النساء)
"اے ایمان والو قائم رہو انصاف پر گواہی دو اللہ کیطرف کی اگرچہ نقصان ہو تمہارا یا ماں باپ

کا یا قرابت والوں کا اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج تو اللہ ان کا خیر خواہ تم سے زیادہ ہے ۔ سو تم پیروی نہ کرو خواہش کی انصاف کرنے میں ۔ اگر تم گول مول بات کرو یا ادھوری بات تو اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔"

صحیح انصاف کیلئے جسطرح سچی شہادت کی ضرورت ہے اسیطرح صحیح اور با انصاف فیصلے کی بھی ضرورت ہے ۔ جو فیصلہ کنندہ حاکم سے متعلق ہے ۔ اس لئے شہادت کے قانون کے بعد قرآن نے حکام کو ہدایت کی کہ :-

عدالت کو حکم | واذا حکمتم بین الناس فاحکموا بالعدل ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان بما تعملون خبیراً ۔ "جب تم حکم کرو لوگوں کو تو انصاف کے ساتھ حکم کرو اللہ تم کو اس اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے ۔ اور اللہ تمہارے عمل سے واقف ہے ۔"

کبھی حاکم عدالت کو ایک فریق سے عداوت اور دشمنی ہوتی ہے ۔ جس سے انصاف کا خطرہ میں پڑجانے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ لہٰذا دوسرا حکم قرآن نے یہ دیا کہ :-

انصاف عداوت سے متاثر ہو | ولا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون (مائدہ) ۔ "اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو نہ چھوڑو عدل کرو یہ بات زیادہ قریب ہے تقویٰ سے اور اللہ سے ڈرو اللہ کو خوب خبر ہے جو تم کرتے ہو ۔"

انصاف کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ناحق کی طرفداری اور ظالم کی امداد بھی ہے ۔ جس کے متعلق قرآن نے تمام معاملات انفرادی اور اجتماعی میں ایک عام ضابطہ بتایا کہ :-

حق میں تعاون اور باطل میں عدم تعاون | وتعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ۔ "اور ایک دوسرے کی امداد کرو نیک کام اور پرہیزگاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے بیشک اللہ کا عذاب سخت ہے ۔"

آج اگر بڑی طاقتیں اور اقوام متحدہ کے ارکان اس اصول پر عمل کریں کہ حق میں تعاون کریں اور باطل میں ترک تعاون تو دنیا سے ظلم کا خاتمہ ہو سکتا ہے ۔ لیکن مادی تہذیب میں اسکی گنجائش کہاں مادہ پرستوں کو مادی اغراض نے پاگل بنادیا ہے ۔ اور ان میں حق و باطل کا احساس اور خیر و شر کے امتیاز کا شعور باقی نہیں رہا اور انصاف کی روشنی سے وہ محروم ہو گئے ہیں ۔ تمام عالمی مظالم

انکی اب کچھ دماغی اور مادی بحران کی کارروائی کا نتیجہ ہیں۔

مسلمان عالمی مظالم کا شکار ہیں | اس دورِ جدید میں عالمی مظالم کی جو قوم سب سے زیادہ شکار ہے وہ مسلمان قوم ہے۔ باطل کی تمام قوتیں ان کی ذہنی سیاسی اخلاقی دینی تباہی میں مصروف عمل ہیں۔ اور وہ ہر لمحہ ان کے فتنوں کے شکار ہیں گویا پوری دنیا آکل و ماکول میں تقسیم ہے؛ مسلمان ماکول اور باقی قومیں آکل ہیں۔ گویا مسلمان باطل اقوام کے لئے غذا و خوراک بن گئے ہیں، جیسے حدیث میں آیا ہے: ستداعی بکم الامم کما تداعی الاکلۃ الی قصعتہا۔ " دیگر امتیں مل کر تم کو اسطرح کھانے لگیں گی جیسے کھانے والے کاسے اور رکابی کا طعام کھائیں۔"

صحابہؓ نے پوچھا کیا ہماری تعداد کم ہوگی جو دیگر قومیں ہمیں کھانا سمجھ لیں گی۔؟ فرمایا نہیں تم تعداد میں زیادہ ہوگے، لیکن غثاء کغثاء السیل، تم کمزوری کی وجہ سے سیلاب کی جھاگ کیطرح ہوگے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یہ کمزوری کیوں ہوگی، فرمایا مال کی محبت اور موت کو مکروہ جاننے کی وجہ سے۔

مسلمانوں کی مشکلات کا قرآنی حل | اب ہم مسلمانوں کی مشکلات کا حل تعلیماتِ قرآن سے پیش کیے تے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلی چیز خود اعتمادی ہے یعنی اپنے سہارے جینا اور غیر مسلم اقوام کے سہارے پر اعتماد نہ کرنا تاکہ احساسِ کمتری کا خاتمہ ہو اور احساسِ برتری پیدا ہو کر جوشِ عمل کی تحریک پیدا کر دے احساسِ برتری کیلئے قرآن کا ارشاد ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ "تم سب امتوں سے بہتر ہو جو تمام لوگوں کے فائدے کیلئے ظاہر ہوئے ہو۔ نیکی کو پھیلانے اور بدی کو مٹانے والے ہو"۔ لا یتخذ المومنین الکافرین اولیاء من دون المومنین۔ مومنوں کو چاہیئے کہ قابلِ اعتماد دوست نہ سمجھیں کفار کو مومنوں کے بغیر۔ مسلمانوں کو سب سے بڑا نقصان اس سے پہنچا کہ انہوں نے کفار کے کہنے پر اعتماد کیا اور اپنی صلاحیتوں کو کام میں نہ لاتے ہوئے غیر مسلموں کی امداد پر اپنی زندگی کو منحصر سمجھا جسکی وجہ سے وہ اغیار کے ہاتھوں کھلونا بن گئے اور ان کا ملی وقار خاک میں مل گیا۔

۲۔ اتحاد ــــ وحدت صفتِ خداوندی ہے، جس قوم میں اس وصف کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ زندہ اور طاقتور قوم بن جاتی ہے اور انتشار موت ہے، جسکی وجہ سے قوم زندہ درگور ہو جاتی ہے، لیکن اتحاد کیلئے مابہ الاتحاد یعنی ذریعہ اتحاد کی ضرورت ہے اور ذریعہ اتحاد ایسا ہو

کہ وہ مسلمانوں میں وحدت فکر اور وحدت عمل پیدا کرے ورنہ زبانی قولی اتحاد کی کوئی قیمت نہیں۔ مسلمانوں کے لئے ذریعہ اتحاد صرف دین اور قرآن ہے۔ قرآن نے جہاں مسلمانوں کو متحد ہونے کا حکم دیا تو اسی ذریعہ اتحاد کو مضبوط پکڑنے پر زور دیا اور فرمایا: واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا۔ قرآن اور اسلام کی رسی کو مضبوط پکڑو سب مل کر اور فرقے مت بناؤ۔

مسلمان قوم مراکش سے چین تک پھیلی ہوئی ہے، اس لئے یہ فطری امر ہے کہ ان کا اتحاد نہ نسل سے ممکن ہے نہ وطن سے نہ زبان سے نہ رنگ سے اور نہ رسم و رواج سے کہ یہ سب چیزیں ان میں مختلف ہیں صرف دین ہی واحد ذریعہ ہے جو ان کو متحد کر سکتا ہے۔ مغربی اقوام نے مسلمانوں کو منتشر اور کمزور کرنے کیلئے ان کو قومی اور لسانی تعصب کا سبق سکھایا تاکہ یہ کمزور ہو کر اغیار کیلئے لقمہ خوراک بن جائے۔ اقبالؒ نے صحیح کہا ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

؎ ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کیلئے　　ترک خرگاہی ہو یا اعرابی والا گہر

ربط و ضبط ملت بیضا ہے مشرق کی نجات
ایشیا والے ہیں اس نکتے سے اب تک بے خبر

قرآن نے نہ صرف وحدت مسلم پر زور دیا بلکہ اس کو اخوت کے رشتے میں جکڑ دیا تاکہ وہ انتشار سے محفوظ رہ کر ایک طاقتور ملت بن کر عالمی اصلاح اور اقوام عالم کی قیادت سنبھال سکے فرمایا:

۳۔ اخوت اسلامی | انما المؤمنون اخوۃ۔ کہ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں اور اخوت کا رشتہ ایسا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اگر کبھی اس میں رخنہ پڑ جائے تو صلح یا قتال کے ذریعہ اسکو درست کرلو۔ فاصلحوا بین اخویکم فان بغت احداھما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی حتی تفیئ الی امر اللہ۔ "یعنی صلح کے ذریعہ مسلمانوں کی خانہ جنگی ختم کردو اور اگر ایک گروہ زیادتی کرتا ہو کہ حق قبول کرنے کیلئے تیار نہ ہوتا ہو تو سب مل کر اس کے ساتھ اس وقت تک لڑو کہ حق قبول کرکے اسلامی برادری میں خلل اندازی چھوڑ دے۔"

اس فرمان الٰہی سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اتحاد اور اخوت کس قدر ضروری اور اس رشتہ کو توڑنے والا کتنا بڑا مجرم ہے کہ ان سے قتال تک جائز ہے۔ حضور علیہ السلام نے ملت اسلامی کے تمام افراد کو شخص واحد کے اعضاء قرار دیا: المسلمون کرجل واحد ان اشتکی عینہ اشتکی کلہ۔

"تمام مسلمان ایک شخص واحد کیطرح ہیں، جسکی اگر آنکھ بیمار ہو تو سارا بدن بیمار ہوتا ہے"۔

تمام مسلمان آپس میں بھائی ہوں جیسے قرآن کا ارشاد ہے یا ایک شخص کے اعضاء ہوں دونوں صورتوں میں ان میں باہمی جنگ و جدال سخت نامعقول ہے کیونکہ نہ بھائی بھائی سے لڑتا ہے نہ کوئی عضو دوسرے عضو سے بلکہ سب کا سکھ اور دکھ ایک ہے اور اسی میں مسلمانوں کی زندگی کا راز مضمر ہے اگر کوئی عضو بدن سے الگ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا تو آج مسلمانوں کی چالیس سے زیادہ حکومتیں ایک دوسری سے الگ ہو کر زندہ نہیں رہ سکتیں۔ اب یہ سوال کہ کیا مسلمان کا اتحاد ممکن ہے اور اگر ہے تو اسکی کیا شکل ہوگی، ہم بیان کرتے ہیں۔

اتحادِ اسلامی کی تشکیل | مسلمانوں کے اتحاد میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں، بشرطیکہ غیر مسلم اقوام کے ورغلانے میں نہ آئیں اور ان کے فریب اور دھوکہ سے بچیں اور ان پر اعتماد نہ کریں۔ جیسے کہ اصول نمبر ا میں قرآن نے حکم دیا۔ اصول سوم کے تحت آپس میں اخوت کا عقیدہ پختہ کر لیں تاکہ وہ دکھ اور سکھ میں ایک دوسرے کے شریک ہو سکیں اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جب امریکہ کی تقریباً پچاس ریاستیں اور روس کی تقریباً بائیس ریاستیں ایک وفاق بن سکتی ہیں اور برطانیہ کی دولتِ مشترکہ میں مختلف حکومتیں ایک نظام میں داخل ہو سکتی ہیں جن میں نہ مذہب کا اتحاد ہے نہ فکر و عمل کا نہ ثقافت کا تو مسلمانوں کی مختلف حکومتیں اور ریاستیں جنکا مذہب ایک، فکر و عمل ایک، ثقافت ایک ہے وہ ایک وفاق میں کیونکر متشکل نہیں ہو سکتے۔ اور جب قرآن نے ان سب کو بھائی کہا اور حدیث نے ان کو ایک جسدِ ملت کے اعضاء قرار دیا تو انکی وحدت کیونکر غیر ممکن ہو سکتی ہے۔

اسلامی وفاق اور باہمی تعاون کی صورتیں | مسلمانوں کی مختلف حکومتیں جس شکل میں ہیں ان کو اسی طرح رہنے دیا جائے خواہ جمہوریت ہو یا شاہیت اور ان میں کوئی مداخلت نہ کی جائے، البتہ ان امور تعاونوا بالبر والتقوی کے تحت تعاون قائم کیا جائے اور اسی تعاون کی بنیاد پر وہ اسلامی وفاق کے اعضاء اور ارکان بن جائیں۔ تعاون کی صورتیں یہ ہیں:۔

۱۔ خارجہ پالیسی سب کی ایک ہو۔ ایک کا دوست سب کا دوست اور ایک کا دشمن سب کا دشمن ہو یہاں تک کہ اقوام متحدہ میں بھی سب کی آواز ایک ہو۔

۲۔ دفاع میں باہمی تعاون ہو۔ اور مشترک سرمایہ سے مناسب مقام میں اسلحہ ساز کارخانے کھولے جائیں۔۔۔۔۔۔

۳۔ نصابِ تعلیم سب کا ایک ہو اور دینی تعلیم داخل نصاب ہو اور فنی اور علمی اور دینی ماہرین کے

درمیان باہمی تبادلہ ہو اور اس کے ساتھ تعلیمی وفود کا بھی تبادلہ ہو جدید تصنیفات جن میں دینی روح کا غالب عنصر موجود ہو باہمی مشورے سے مرتب کئے جائیں اور مشترک طور پر اسلامی نیوز ایجنسی قائم کریں تاکہ آپس میں غلط فہمی سے بچے رہیں۔

۳۔ عدالتی قانون سب کا ایک ہو جو اسلامی روح پر مشتمل ہونے کی وجہ سے غیر مسلم اقوام سے ممتاز ہو

۴۔ سب کا ایک مشترک بنک ہو تاکہ غیر ممالک میں جو مسلمانوں کا سرمایہ ہے وہ اس میں منتقل کیا جا سکے، اور وہ مسلمانوں کے مفاد میں استعمال ہو مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ ہو۔

۵۔ اسلامی وفاق میں اشیاء ضرورت کا باہمی تبادلہ ہو اور بغیر شدید ضرورت کے صرف تجارت باہمی پر زور دیا جائے۔

۶۔ مشترک فوجی تعاون کے سلسلے میں قرآن کے فرمان کے مطابق بحری بری اور ہوائی مشق اور ٹریننگ کو زیادہ سے زیادہ موثر بنایا جائے تاکہ اعداد قوت پر عمل ہو۔

۷۔ مشترک امور کیلئے وفاقی مجلس شوریٰ ہو جس میں مشترک امور باہمی مشورہ سے طے کئے جائیں۔

۸۔ عربی زبان کو مشترک وفاقی زبان قرار دیا جائے۔

حل مشکلات عالم اسلام کا چوتھا اصول | اعداد قوت ——— اللہ کا ارشاد ہے: واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللّٰہ وعدوکم۔ "تم سے جسقدر ہو سکے دشمن کیلئے سامان قوۃ تہیا کرو اور عمدہ گھوڑے بھی اور یہ سامان اسقدر ہو کہ دشمن اس سے مرعوب ہو کر مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ اس میں اعدوا امر کا صیغہ ہے جسکا ظاہر وجوب ہے یعنی

آلات حرب وصنعت | مسلمانوں پر اسباب قوۃ کا مہیا کرنا واجب ہے قوت عالمگیر لفظ ہے جس میں ہر قسم کا سامانِ حرب ہائیڈروجن بم تک داخل ہے اور یہی راز ہے کہ قرآن نے اپنے نزول کے زمانے کے ہتھیاروں یعنی تلوار، تیر، نیزہ کا نام نہیں لیا کہ سامانِ جنگ بدلتا رہتا ہے۔ اور خدا کو معلوم تھا کہ آئندہ ترقی یافتہ آلات حرب پیدا ہوں گے اس لئے ایسا لفظ قرآن نے استعمال کیا کہ قیامت تک جسقدر آلات حرب ایجاد ہوں سب اس میں داخل ہو سکیں۔ گھوڑا اس وقت ٹینک کے قائم مقام تھا اس لئے اسکا خصوصی ذکر کیا۔ جنگی ضرورتوں کے لئے صرف سامانِ جنگ کافی نہیں، فوج کا لباس پوشاک خیمے وغیرہ ضروریات کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس لئے قوت میں کپڑے کے کارخانے اور بوٹ گورگابی پیٹی وغیرہ بنانے کے کارخانے بھی داخل ہیں۔ کہ وہ بھی جنگ میں سامان قوت ہے اسی طرح بحری بیڑہ، ہوائی جہاز یہ سب لفظ قوت

میں داخل ہیں۔

زراعت | فوج کیلئے اور عوام کیلئے غذائی مواد اور خوراک بھی ضرورت ہے اس لئے زراعت کی ترقی بھی داخل قوت ہے۔

صحت | جنگ میں لشکر کے افراد زخمی اور بیمار بھی ہوتے ہیں اس لئے ہسپتالوں اور دواؤں کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ بھی سامان قوت ہے۔ اس لئے محکمۂ صحت کی ضروریات بھی اس حکم خداوندی میں داخل ہیں۔

مواصلات | جنگ میں سامان کی نقل وحمل کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر دشمن کے خلاف قوت نہیں پیدا ہوسکتی لہذا مواصلات کے محکمے سے متعلق تمام اشیاء کی فراہمی بھی اس حکم خداوندی میں داخل ہے کہ وہ بھی اسباب قوت ہے۔ پھر ان تمام اسباب کا مہیا کرنا کتنی مقدار میں از روئے قرآن واجب ہے۔ لفظ مااستطعتم اور ترھبون سے مفہوم ہوتا ہے کہ اپنی آخری طاقت کی حد تک جسقدر ہوسکے اور جسکا چرچا اس کہ دشمن پر ہیبت چھا جائے، اتنی مقدار میں واجب ہے۔

یہ عجیب معاملہ ہے کہ نماز روزہ حج زکوٰۃ جیسے ارکان اسلام کے متعلق یہ حکم نہیں آیا کہ تم پر اسقدر واجب ہے جسقدر تمہاری طاقت ہو بلکہ صرف پانچ نمازیں واجب ہیں۔ اگرچہ طاقت زیادہ کی ہو روزہ سال میں ایک مہینہ ہے اگرچہ پورا سال روزہ رکھنے کی طاقت ہو اس طرح حج عمر میں ایک بار ہے اگرچہ ہر سال حج کی طاقت ہو، لیکن دشمن کے مقابلہ میں سامان قوت جس میں محکمۂ فوج محکمۂ زراعت محکمۂ صحت محکمۂ مواصلات کی تمام ضروریات داخل ہیں ان سب کو واجب قرار دیا گیا اور طاقت کی آخری حد تک اور لفظ قوت جس کے مقابلہ میں ضعف آتا ہے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام دشمنان اسلام کی مجموعی طاقت سے تمہاری قوت اور آلات حرب زائد ہونے چاہئیں۔ تاکہ ان کی نسبت تم قوی ہوسکو اور تم سے وہ مرعوب ہوجائیں۔ کیا جدید ترقیات میں کوئی ایک چیز بھی ایسی باقی رہ جاتی ہے جو اس ایک آیت کے مفہوم میں داخل نہ ہو پھر اندازہ لگاؤ کہ کیا قرآن اور اسلام ترقی کا مخالف ہے یا موید۔

الغرض یہ چند قرآنی اصول ہیں جن سے مسلمانوں کی تمام مشکلات حل ہوسکتی ہیں۔ ۱۔ کفار پر اعتماد مت کرو۔ ۲۔ متحد ہوجاؤ۔ ۳۔ تم مسلمان آپس میں بھائی ہوجاؤ۔ ۴۔ دشمن کے پاس امن وجنگ کا جسقدر مادی سامان ہے مسلمانوں کا فرض ہے اس سے زیادہ تیار کرے۔ لیکن قرآن اس مادی

سامان کے علاوہ روحانی قوت جو اللہ کے متعلق سے حاصل ہوتی ہے اس پر بھی زور دیتا ہے۔

روحانی قوت اور قرآن | تاکہ طاعت خداوندی کے ذریعہ اللہ کا تعلق مستحکم کر دو تاکہ تم الٰہی قوت کو جذب کر دو اور اللہ کا فرشتہ تمہارے دلوں کو قوی اور تمہارے دشمنوں کے دلوں کو کمزور کر دے اور خدا کی پوری شاہنشاہیت تمہاری پشت پر ہو جو دشمن کی ہر تدبیر کو توڑ سکتی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذ لکم فمن ذالذی ینصرکم۔ "اگر خدا تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر تمہاری مدد چھوڑ دے تو کون ہے وہ جو تمہاری مدد کرے۔

امنِ عالم کیلئے ایک بڑا اصول معاہدات کی پابندی ہے: یا ایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔ اس کے علاوہ امنِ عالم کیلئے اداءِ امانت کا جذبہ بے حد ضروری ہے۔ ہر کمزور قوم کا بھی ایک امانت ہے۔ جسکا پورا کرنا اقوامِ عالم کا فرض ہے اور حکومت کا عہدہ بھی ایک امانت ہے، جو اس کے اہل اور مستحق کو دینا چاہیئے نہ کہ نااہل اور غیر مستحق کو اس میں قرابت سفارش ذاتی یا قومی مفاد کو دخل نہ دیا جائے۔

خلاصہ | امنِ عالم کے قرآنی اصول کا خلاصہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ وحدتِ بشری اور احترامِ آدمیت کا یقین اور اس پر عمل کرنا۔

۲۔ شہادتِ حق اور اس پر عمل۔

۳۔ عالمی معاملات میں انصاف اور اس پر غیر جانبدارانہ عمل کرنا۔

۴۔ عالمی معاملات اور انفرادی معاملات دینی مسئولیت اور خالقِ کائنات کے آگے اپنی جواب دہی کا احساس۔

۵۔ نسل جغرافی وطنیت رنگ زبان کے تفرقوں کو مٹانا۔

۶۔ معاہدات کی پابندی پر عمل پیرا ہونا۔

۷۔ انسانی حقوق کو امانتِ الٰہی سمجھ کر اسکی ادائیگی بلا وکم وکاست پورا کرنا۔

کیا ان امور پر عمل کرنے کے بعد بھی کسی بدامنی کا اندیشہ باقی رہ سکتا ہے۔؟ ۔

آں کتاب زندہ قرآن حکیم — حکمت او لا یزال است و قدیم
نسخۂ تکوینِ اسرارِ حیات — بے ثبات از قوتش گیرد ثبات
نوعِ انسان را پیامِ آخرین — حامل او رحمۃ للعالمین

★

الشیخ العلامہ ابو زہرہ
استاذ قانون قاہرہ یونیورسٹی۔ مصر
ترجمہ: مولانا غلام احمد حریری ایم اے

بہائی فرقہ اور اس کے عقائد و افکار

ـــــ جس کا آغاز تجدید و اصلاح مذہب کے خوشنما دعووں سے ہوا

قادیانیت کیطرح بہائی مذہب بھی پاکستان میں تبلیغی جال پھیلا رہا ہے۔ بہائیوں نے پاکستان کے بڑے بڑے شہروں میں تبلیغی مراکز قائم کر رکھے ہیں، جہاں سے لٹریچر شائع کر کے عوام میں بلاقیمت تقسیم کیا جاتا ہے۔ ان کے مبلغ ہر وقت مرکز میں موجود رہتے اور تبلیغی ہتھکنڈے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ پڑھے لکھے لوگوں کے گھروں میں لٹریچر بھیج دیا جاتا ہے۔ لائلپور اور لاہور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کے خصوصی مرکز ہیں، ضرورت ہے کہ دینی غیرت سے بہرہ مند نوجوان اٹھ کھڑے ہوں اور اس شجرۂ خبیثہ کو برگ و بار لانے سے پہلے ہی ملک بدر کر دیں۔ ہمارے یہاں پہلے ہی بے دینی کیا کم ہے کہ اس پر ایک اور دینی فتنہ کا اضافہ کیا جائے۔

★

بہائی فرقہ نے شیعہ اثنا عشریہ سے جنم لیا۔ اس کتاب[1] میں بہائی فرقہ کا ذکر کرنے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ اسلامی فرقہ ہے۔ چونکہ یہ فرقہ مسلمانوں میں پروان چڑھا اور اس کا بانی و موسس بھی ایک اسلامی فرقہ کی جانب منسوب تھا، لہٰذا ہم نے اس کے ذکر و بیان کو ضروری تصوّر کیا۔ یہ حقیقت ہے کہ بہائی فرقہ ان اصول و مبادی کو تسلیم نہیں کرتا جن پر مسلمانوں کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ اور جن کی حیثیت اسلام میں اساسی و بنیادی ہے۔

بانی فرقہ | بہائی فرقہ کا بانی مرزا علی محمد شیرازی ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۲۰ء ایران میں پیدا ہوا۔

---

[1] یہ مضمون علامہ ابو زہرہ کی شہرۂ آفاق کتاب "المذاہب الاسلامیہ" سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ "اسلامی مذاہب" کے نام سے حال ہی میں ملک برادرز کارخانہ بازار لائل پور سے شائع ہوا ہے۔

یہ اثنا عشری شیعہ سے تعلق رکھتا تھا مگر اثنا عشریوں کی حدود سے تجاوز کر گیا۔ اس نے اسماعیلی فرقے کے عقائد باطلہ اور فرقہ سبیئہ کے عقیدۂ حلول کا ایک ایسا معجون مرکب تیار کیا جسے اسلامی عقائد سے دُور کا بھی واسطہ نہ تھا۔

یہ ایک طے شدہ بات ہے کہ امام مستور کا عقیدہ اثنا عشری شیعہ کے اساسی عقائد میں سے ہے۔ ان کے عقیدہ کے مطابق بارہواں امام "سُرَّمن رَائ" کے شہر میں غائب ہو گیا تھا اور ابھی تک وہ اس کے منتظر ہیں۔ مرزا علی محمد بھی دیگر اثنا عشریہ کیطرح یہی عقیدہ رکھتا تھا اکثر اہل فارس جن میں یہ نوجوان (مرزا علی محمد) پروان چڑھا اسی نظریہ کے حامل تھے۔ اس نے اثنا عشری فرقہ کی حمایت میں بڑی غیرت کا ثبوت دیا، جس کے نتیجہ میں یہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گیا۔۔۔ فن نفسیات سے اسے گہرا لگاؤ تھا، یہ فلسفیانہ نظریات کے درس و مطالعہ میں بھی لگا رہتا لوگوں کی حوصلہ افزائی کے صلہ میں مرزا علی محمد نے یہ دعویٰ کر دیا کہ وہ امام مستور کے علوم و فنون کا واحد عالم بے بدل ہے۔ اور اس کی طرف رخ کئے بغیر وہ علوم حاصل نہیں کئے جا سکتے اس لئے کہ شیعہ فرقہ کے قول کے مطابق دیگر ائمہ اثنا عشریہ کیطرح امام مستور ائمہ سابقین کی وصیت کی بنا پر قابل اتباع علوم کا جامع اور مصدر ہدایت و معرفت ہوتا ہے۔

اس مفروضہ کی بنا پر کہ مرزا علی محمد ائمہ سابقین کے علوم کا حامل ہے اسے حجت سمجھا جانے لگا اور بلاچون وچرا اسکی اطاعت کی جانے لگی۔ ایک کامل امام کی حیثیت حاصل ہو جانے پر مرزا علی محمد ایک متبوع امام قرار پائے اور بلا استثناء ان کے جملہ اقوال کو مقبولیت عامہ حاصل ہو گئی۔

کچھ عرصہ گذرنے پر مرزا علی محمد غلو سے کام لینے لگا۔ اور اس نظریہ کو مطلقاً نظر انداز کر دیا کہ وہ امام مستور کے علوم کا ناقل ہے۔ اس نے مستقل مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ جن کا ظہور غیبوبت امام کے ایک ہزار سال بعد ہونے والا تھا۔ امام غائب ۲۶۰ھ میں نظروں سے اوجھل ہوئے تھے۔ مرزا نے اس سے بڑھ کر یہ دعویٰ بھی داغ دیا کہ ذات خداوندی اس میں حلول کر آئی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس کے توسط سے مخلوقات کے سامنے جلوہ افروز ہوتے ہیں۔ اس نے یہ بھی کہا کہ آخری زمانہ میں موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کا ظہور اس کے ذریعہ ہوگا۔ اس نے نزول عیسیٰ کے عام عقیدہ سے تجاوز کر کے اس پہ رجوع موسیٰ کا اضافہ کیا اور کہنے لگا کہ ان دونوں انبیاء کا ظہور اس کے توسط سے ہوگا۔

مرزا علی محمد کی شخصیت میں اتنی جاذبیت پائی جاتی تھی کہ لوگ اس کے بلند بانگ دعاوی کو بلاچون وچرا مان لیتے تھے۔ مگر علماء نے امامیہ ہوں یا غیر امامیہ یک زبان ہو کر اس کے خلاف

آواز بلند کی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ اس کے مزعومات و دعاوی قرآن کے پیش کردہ حقائق وعقائد کے سراسر منافی تھے۔ مرزا نے علماء کی مخالفت کی پرواہ نہ کی بلکہ انہیں منافق لالچی اور تملق پسند کہہ کر لوگوں کو ان سے متنفر کرنے لگا۔ بایں ہمہ لوگ اسکی باتوں کو سنتے اور بلا حجت و برہان اس کی پیروی کا دم بھرتے رہے۔

بانیٔ بہائیت کے عقائد و اعمال ان دعاوی باطلہ کے بعد مرزا علی محمد چند عقائد و اعمال کا اعلان کرنے لگا۔ ہم ذیل میں وہ امور ذکر کرتے ہیں۔ اعتقادی امور یہ تھے۔

۱۔ مرزا علی محمد روزِ آخرت اور بعد از حساب دخولِ جنت وجہنم پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ روزِ آخرت سے ایک جدید روحانی زندگی کی جانب اشارہ کرنا مقصود ہے۔

۲۔ وہ بالفعل ذاتِ خداوندی کے اس میں حلول کرآنے پر اعتقاد رکھتا تھا۔

۳۔ رسالتِ محمدی اس کے نزدیک، آخری رسالت نہ تھی، وہ کہتا تھا کہ ذاتِ باری مجھ میں حال ہے اور میرے بعد آنے والوں میں بھی حلول کرتی رہے گی۔ گویا حلولِ الوہیت کو وہ اپنے لئے مخصوص نہیں ٹھہراتا تھا۔

۴۔ وہ کچھ مرکب حروف ذکر کر کے ہر حرف کے عدد نکالتا اور اعداد کے مجموعہ سے عجیب و غریب نتائج اخذ کرتا تھا۔ وہ ہندسوں کی تاثیر کا قائل تھا۔ انیس ۱۹ کا ہندسہ اس کے نزدیک خصوصی مرتبہ کا حامل تھا۔

۵۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ تمام انبیاء سابقین کی نمایندگی کرتا ہے۔ وہ مجموعۂ رسالات ہے اور اس اعتبار سے مجموعۂ ادیان بھی۔

بنابریں بہائی فرقہ یہودیت، نصرانیت اور اسلام کا معجونِ مرکب ہے۔ اور ان میں کوئی حدِ فاصل نہیں پائی جاتی۔

مرزا نے اسلامی احکام میں تبدیلی پیدا کر کے عجیب وغریب قسم کے عملی امور مرتب کئے تھے۔ وہ عملی امور حسب ذیل ہیں۔

۱۔ عورت میراث اور دیگر امور میں مرد کے برابر ہے۔ یہ آیت قرآنی کا صریح انکار ہے، جو موجبِ کفر ہے۔ [1]

---

[1] آج بھی ہمارے ہاں اس قسم کے فرسودہ اور غلط نظریات کے نمونے مل سکتے ہیں، گو نام تجدد اور تحقیق و ریسرچ کا ہو۔ (س)

۲۔ وہ بنی نوع انسان کی مساوات مطلقہ کا قائل تھا۔ اس کی نگاہ میں جنس ونسل، دین و مذہب اور جسمانی رنگت موجب امتیاز نہیں ہے۔ یہ بات اسلامی حقائق سے میل کھاتی ہے۔ اور ان کے منافی نہیں۔

علی محمد باب، کے اتباع وتلامذہ | یہ افکار و آراء مرزا نے اپنی تحریر کردہ تصانیف میں جمع کر دیئے تھے جس کا نام البیان ہے۔ بحیثیت مجموعی ان کے جملہ افکار عقائد اسلام سے اعراض وانحراف، بلکہ انکار پر مبنی تھے۔ اس نے حلول کے نظریہ کو از سر نو زندہ کیا جسے عبداللہ بن سبا نے حضرت علیؓ کے لئے گھڑا تھا اور جو صریح کفر ہے۔ انہی وجوہات کے پیش نظر حکومت اس کے خلاف ہو گئی اور مرزا علی محمد اور اس کے اتباع کو ادھر ادھر بھگا دیا۔ مرزا ۱۸۵۰ء میں صرف تیس۳۰ سال کی عمر میں راہی ملک عدم ہوا۔

مرزا علی محمد نے اپنی نیابت کیلئے اپنے دو مریدان باصفا کو منتخب کیا تھا۔ ایک صبح ازل نامی اور دوسرا بہاء اللہ۔ ان دونوں کو فارس سے نکال دیا گیا تھا۔ صبح ازل قبرص میں سکونت پذیر ہوا اور بہاء اللہ نے آدرنہ کو اپنا مسکن ٹھہرایا۔ صبح ازل کے پیرو بہت کم تھے اس کے مقابلہ میں بہاء اللہ کا حلقۂ ارادت خاصا وسیع تھا۔ بعد ازاں اس مذہب کو بہاء اللہ کی طرف منسوب کر کے بہائی کہنے لگے اس فرقہ کو بانی و موسس کی جانب منسوب کر کے بابی بھی کہا جاتا ہے۔ مرزا علی محمد نے اپنے لئے "باب" کا لقب تجویز کیا تھا۔

صبح ازل اور بہاء اللہ میں نقطۂ اختلاف یہ تھا کہ اوّل الذکر بابی و بہائی مذہب کو اسیطرح چھوڑ دینا چاہتا تھا، جیسے اس کے بانی نے اسے منظم کیا تھا۔ اس کا کام صرف تبلیغ واشاعت تھا۔ بخلاف ازیں بہاء اللہ نے مرزا کیطرح بہت سی اختراعات کیں، وہ بھی مرزا کیطرح حلول کا قائل تھا اور اپنے آپ کو مظہر الوہیت قرار دیتا تھا۔

وہ کہا کرتا تھا کہ مرزا علی محمد نے میرے متعلق بشارت دی تھی۔ مرزا کا وجود میرے لئے تمہید کا حکم رکھتا تھا۔ جسطرح نصاریٰ کی نظر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام ظہور مسیحؑ کا پیش خیمہ تھے۔

مشہور مستشرق گولڈتسیہر اپنی کتاب "العقیدہ والشریعہ" میں لکھتے ہیں بہاء اللہ کی شخصیت میں روح الٰہی کا ظہور ہوا تاکہ اس عظیم کام کی تکمیل کی جائے جسے بہائیت کا بانی تشنۂ تکمیل چھوڑ گیا تھا۔ بنا بریں بہاء اللہ کا منصب و مقام باب کی نسبت رفیع تر ہے۔ اس لئے کہ باب بہاء اللہ کی ذات سے قائم ہے۔ اور بہاء اللہ اس کو قائم رکھنے والا ہے۔ بہاء اللہ

اپنے آپ کو ذاتِ الہٰی کا مظہر قرار دیتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ وہ ذاتِ باری کے حسن و جمال کا جلوہ گاہ ہے۔ اور اس کے محاسن شیشہ کیطرح ذاتِ بہاء اللہ میں ضو فشاں ہیں۔ بہاء اللہ کی شخصیت بذاتِ خود وہ جمال اللہ ہے، جو ارض و سماوات میں یوں تاباں و درخشاں ہے۔ جیسے عمدہ قسم کے پتھر کو پالش کیا جائے تو وہ تابانی کے جوہر دکھاتا ہے۔ بہاء اللہ وہ عظیم شخصیت ہے جس کا ظہور اس جوہر (مرزا علی محمد) سے ہوا۔ اس جوہر کی معرفت بہاء اللہ کے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی۔ بہاء اللہ کے پیرو اسے فوق البشر تصور کرتے اور اسے اکثر صفاتِ الہٰی کا مجموعہ قرار دیتے تھے۔[1]

(العقیدۃ والشریعۃ ص ۲۴۴ ترجمہ محمد یوسف عبدالعزیز عبدالحق و علی حسن عبدالقادر)

بہاء اللہ کے افکار و عقائد | جسطرح عوام کالانعام شخص پرستی کے عادی ہوتے ہیں، اسی طرح بہاء اللہ کے پیرو بھی اسی جرم کے مرتکب تھے۔ بعد ازاں بہاء اللہ اور صبح ازل کے اختلافات کی خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی گئی۔ یہ دونوں قریب قریب رہتے تھے۔ ایک آدرنہ میں قیام پذیر تھا اور دوسرا قبرص میں۔ چنانچہ دولتِ ترکیہ نے بہاء اللہ کو عکّا کی طرف ملک بدر کر دیا، جہاں اس نے اپنے مشرکانہ عقائد کو مدون کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اس نے قرآنِ کریم کے خلاف بہت کچھ لکھا اور اپنے استاد کی مرتب کردہ کتاب البیان کی تردید پر قلم اٹھایا، بہاء اللہ نے عربی فارسی دونوں زبانوں کو تعبیر و بیان کا ذریعہ بنایا۔ اس کی مشہور ترین تصنیف "الاقدس" ہے۔ جس کے متعلق اس کا دعویٰ تھا کہ وہ وحی الہٰی پر مبنی اور ذاتِ خداوندی کیطرح قدیم ہے۔ وہ اعلانیہ کہا کرتا تھا کہ اس کی تصنیفات جملہ علوم کی جامع نہیں بلکہ اس نے بہت سے علوم کو اپنے برگزیدہ اصحاب کے لئے الگ محفوظ کر رکھا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے لوگ ان باطنی علوم کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

بہاء اللہ کا دعویٰ تھا کہ جس مذہب کی وہ دعوت دے رہا ہے وہ اسلام سے الگ ایک جداگانہ مسلک کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات بہاء اللہ اور اس کے استاد میں مابہ الامتیاز ہے۔ اس کے استاد مرزا علی محمد کا دعویٰ تھا کہ وہ اپنے افکار سے اسلام کی تجدید و احیاء کر رہا ہے۔ اور وہ اسلام کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔ وہ بزعمِ خود اسلام کو ایک جدید مذہب قرار دیتا تھا اور اسکی اصلاح کا مدّعی تھا۔

بخلاف ازیں بہاء اللہ اپنے مذہب کو دینِ اسلام سے ایک الگ مذہب تصوّر کرتا تھا۔ یہ کہ اس نے دینِ اسلام پر بڑا احسان کیا اور اسے اپنے مزعومات باطلہ کی آلودگی سے پاک رکھا۔[2]

---

[1] اس اقتباس کے آئینہ میں مرزا غلام احمد کی ظلّی اور بروزی اصطلات کو دیکھئے، معلوم ہوگا کہ یہ بھی مرزا کادیانی کا سرقہ ہے نہ کہ خانہ زاد۔ (سمیع) [2] یعنی جو لوگ اسلام کی تجدید و اصلاح کا نام لیکر اسلام کا حلیہ بگاڑنا چاہتے ہیں ایسے منافق بزدل اور کم حوصلہ لوگوں سے بہاء اللہ جیسے لوگ اسلام کیلئے کم ضرر رساں ثابت ہوتے ہیں جو اپنے کفریات کو اسلام کا نام تو نہیں دیتے! (سمیع)

بہاء اللہ اپنے مذہب کو بین الاقوامی حیثیت دیتا اور اس بات کا دعویٰ دار تھا کہ یہ مذہب جمیع ادیان و مذاہب کا جامع اور سب اقوام کے لئے یکساں حیثیت رکھتا ہے۔ وہ وطن پرستی کے خلاف تھا اور کہا کرتا تھا کہ زمین سب کی ہے اور وطن سب کا ہے۔

چونکہ بہاء اللہ اپنے مذہب کو بین الاقوامی مذہب سمجھتا اور مظہر الٰہی ہونے کا دعویٰ دار تھا۔ اس لئے اس نے مشرق و مغرب کے سلاطین و حکام کو تبلیغی خطوط ارسال کئے اور ان میں یہ دعویٰ کیا کہ ذاتِ الٰہی اس میں حلول کر آتی ہے، وہ قرآنی اجزاء کیطرح اپنی تحریروں کو سُوَر (سورت کی جمع) کہا کرتا تھا۔ اُسے غیب دانی کا بھی دعویٰ تھا، وہ مستقبل میں وقوع پذیر ہونے والی پیش گوئیاں بھی کیا کرتا تھا۔ اتفاق سے بعض باتیں درست ثابت ہو جاتیں۔ مثلاً اس نے پیشگوئی کی تھی، کہ نپولین سوم کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ چار سال کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ اس پیشگوئی کے ظہور سے اس کے پیروؤں کی تعداد میں بڑا اضافہ ہوا۔ بہاء اللہ نے ہوشیاری سے کام لیکر زوالِ حکومت کی کوئی تاریخ متعین نہیں کی تھی۔ ممکن ہے۔ اس نے سیاسی بصیرت کی بناء پر یہ بھانپ لیا ہو کہ یہ حکومت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ مگر یہ دعویٰ کسی شخص نے بھی نہیں کیا کہ بہاء اللہ کی سب پیشگوئیاں حرف بحرف صحیح ثابت ہوئیں۔ یہاں تک کہ اس کے بڑے سرگرم پیرو بھی یہ دعویٰ نہ کر سکے۔

بہاء اللہ اپنی دعوت کو پھیلانے کے لئے اپنے اتباع کو ترغیب دلایا کرتا تھا کہ وہ دوسری زبانیں سیکھیں۔

بہاء اللہ کی دعوت کے خصوصی خدوخال | بہاء اللہ کی دعوت کے خصوصی نکات یہ تھے۔

۱۔ بہاء اللہ نے تمام اسلامی قواعد و ضوابط کو ترک کر دیا تھا۔ بنابریں اس کا مذہب اسلام سے قطعی طور پر بے تعلق تھا۔ یہ بات بہاء اللہ اور اس کے استاد مرزا علی محمد میں مابہ الامتیاز ہے۔

۲۔ وہ انسانوں کے رنگ و نسل اور ادیان و مذاہب کے اعتبار سے مختلف ہونے کے باوجود ان کی مساوات کا قائل تھا۔ مساواتِ بنی آدم کا نظریہ اس کی تعلیمات میں مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ تعصب و اختلافات سے پُر کائناتِ عالم میں بہاء اللہ کا یہ نظریہ بڑا جاذبِ نظر تھا۔

۳۔ بہاء اللہ نے عائلی نظام مرتب کیا اور اس میں اسلام کے بنیادی قوانین کی خلاف ورزی

کی چنانچہ وہ تعدد ازدواج سے روکتا تھا اور شاذ و نادر حالات میں اس کی اجازت دیتا تھا بصورت اجازت بھی وہ دو بیویوں سے تجاوز نہیں کرنے دیتا تھا۔ طلاق کی اجازت وہ ناگزیر حالات میں دیتا تھا۔ اس کے یہاں مطلقہ کے لئے کوئی عدت مقرر نہ تھی بلکہ طلاق کے بعد وہ فی الفور نکاح کر سکتی تھی[1]

۴۔ نماز باجماعت منسوخ کر دی۔ صرف نماز جنازہ میں جماعت کی اجازت تھی۔

۵۔ وہ خانہ کعبہ کو قبلہ قرار نہیں دیتا تھا بلکہ اس کا اپنا سکونتی مکان قبلہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ چونکہ وہ حلول باری تعالیٰ کا عقیدہ رکھتا تھا، لہذا قبلہ وہی جگہ ہونی چاہئے جہاں خدا کی ذات حال ہو اور اور وہ بزعم خویش بہاء اللہ کا مکان تھا۔ جب بہاء اللہ اپنی سکونت تبدیل کر لیتا تو بہائی بھی اپنا قبلہ تبدیل کر لیا کرتے تھے۔

۶۔ بہاء اللہ نے اسلام کی پیش کردہ طہارت جسمانی و روحانی کو بحال رکھا تھا۔ بنابریں وہ وضو اور غسل جنابت کا قائل تھا۔

۷۔ بہاء اللہ نے حلال و حرام سے متعلق جملہ احکام اسلامی کو نظر انداز کر دیا اور اس ضمن میں عقل انسانی کو حاکم تصور کرنے لگا۔ اگر حق کی توفیق شامل حال ہوتی تو اسے معلوم ہوتا کہ اسلام کی حلال کردہ اشیاء عقل کے نزدیک بھی حلال ہیں اور محرمات کے حق میں عقل بھی حرمت کا فیصلہ صادر کرتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اعرابی کا واقعہ ذکر کرنے کے قابل ہے۔ اس سے جب پوچھا گیا کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیوں کر ایمان لائے۔؟ اس نے جواباً کہا میں نے کوئی ایسی بات نہیں دیکھی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کو انجام دینے کا حکم صادر کریں اور عقل انسانی کہے کہ ایسا نہ کرو۔ اور نہ کوئی ایسا معاملہ میری نگاہ سے گزرا کہ عقل منع کرے اور آپ وہ کام کرنے کا حکم دیں[2]۔ اگر بہاء اللہ اس اعرابی کی بات پر غور کرتا تو حقیقت کو پا لیتا۔ مگر اس کا مقصد صرف تخریب تھا۔ ظاہر ہے کہ تخریب کے لئے صرف پھاوڑا مطلوب ہے جو ہر چیز کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا ہے۔

۸۔ اگرچہ بہاء اللہ اور اس کا استاد مرزا علی محمد انسانی مساوات کے قائل تھے، مگر جمہوریت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بادشاہ کو معزول کرنا ان کے نزدیک جائز نہ تھا۔ شاید اسکی وجہ یہ تھی کہ سلطان کو معزول کرنا ان کے نظریات سے میل نہیں کھاتا تھا۔ ان کے مذہبی نظریات کی اساس یہ تھی کہ ذات باری انسانوں میں حلول کرآتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اندریں

---

[1] ما اشبہ اللیلۃ بالبارحۃ۔ (س) [2] عصر حاضر کی تمام ریسرچ و تحقیق اور سائنس و فلسفہ اس اعرابی کے قدموں پر نثار کی جا سکتی ہے۔ (س)

صورت انسانوں کی تقدیس کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان میں حال نہ بھی ہو، اس لئے کہ ان میں حلول کا امکان ہوتا ہے۔ بنابریں تقدیس سلاطین کا نظریہ ان کی عقل و منطق کیساتھ ہم آہنگ تھا۔

تقدیس سلطان کے باوجود بہاء اللہ علماء کی فضیلت وعظمت کو تسلیم نہیں کرتا تھا۔ بلکہ اس کا استاد مرزا علی محمد ان علماء کے خلاف جنگ آزما رہا جو اس کے نظریات کا ابطال کرتے تھے۔ اسی طرح بہاء اللہ بھی علمی اجارہ داری کے خلاف معرکہ آراء رہا۔ خواہ وہ مسلمانوں میں پائی جاتی ہو۔ یا یہود و نصاریٰ میں۔ ۔

بہاء اللہ کا جانشین عباس آفندی | بہاء اللہ کا اقتدار ۱۶ رمئی ۱۸۹۲ء کو اس کی موت کے ساتھ ختم ہوگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عباس آفندی جسے عبدالبہاء یا غصن اعظم (بڑی شاخ) بھی کہتے تھے۔ اس کا نائب قرار پایا۔ چونکہ سب عقیدت مند بہاء اللہ سے خلوص رکھتے تھے اس لئے کوئی بھی بہاء اللہ کا خلیفہ بننے میں اس کا مزاحم نہ ہوا۔ عباس آفندی مغربی تہذیب و تمدن سے پوری طرح باخبر تھا اس لئے اس نے اپنے والد کے افکار کو مغربی طریق فکر و نظر میں ڈھال دیا۔ اس نے حلول کے عقیدہ کو اپنے مذہب سے خارج کر دیا۔ اس کا والد جن خوارق عادات کا مدعی تھا۔ اس نے یہ دعویٰ بھی ترک کر دیا۔ مغربی تہذیب و ثقافت کے زیر اثر اس نے یہود و نصاریٰ کی مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔

(بہائی مذہب کی تدریجی ترقی کی داستان بڑی عجیب ہے۔) اس مذہب کے اولین بانی نے اسلام کی تجدید و اصلاح کے نام سے اسکی تعلیمات کی تخریب کا بیڑا اٹھایا تھا۔ جب اس کا نائب بہاء اللہ مسند نشین اقتدار ہوا تو اس نے جملہ تعلیمات اسلامی کا انکار کر کے اپنے استاد کے مشن کی تکمیل کر دی۔ جب تیسرے گدی نشین نے مسند سنبھال لی تو اس نے اصول اسلامی کے انکار پر ہی بس نہ کی بلکہ قرآن کریم کی بجائے کتب یہود و نصاریٰ کی جانب متوجہ ہوا اور ان سے اخذ و استفادہ کرنے لگا۔

یہود و نصاریٰ میں بہائیت کی اشاعت | اسی کے زیر اثر یہ مذہب یہود و نصاریٰ اور مجوس میں پھیلنے لگا اور ان مذاہب کے لوگ جوق در جوق بہائیت میں داخل ہونے لگے۔ دوسری وجہ یہ تھی۔ کہ جب عباس آفندی اور اس کا والد بہاء اللہ مسلمانوں سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے اپنی توجہ دیگر مذاہب والوں کی طرف منعطف کرنا شروع کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرزمین فارس اور اس

کے قرب و جوار میں یہود و نصاریٰ کثرت سے بہائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ انہوں نے بلاد ترکستان میں عمارتیں تعمیر کر رکھی تھیں۔ یہاں اجلاس منعقد کیا کرتے تھے۔ یہ مذہب یورپ و امریکہ میں بڑی تیزی سے پھیلنے لگا اور بہت سے لوگ ان کے دامِ تزویر میں پھنس گئے۔ مشہور کتاب "العقیدۃ والشریعۃ" کا مصنف لکھتا ہے۔

"شہر عکا کے نبی (بہاء اللہ) نے محسوس کیا کہ یورپ و امریکہ کے بعض لوگ بڑے جوش و خروش سے بہائیت کو قبول کرتے جا رہے تھے یہاں تک کہ عیسائیوں میں بھی ان کے حلقہ بگوش پیدا ہو گئے۔ امریکہ میں جن ادبی انجمنوں کا قیام عمل میں آیا وہ بہائیت کے اصول و ضوابط کے استحکام میں ممد و معاون ہوتی تھیں۔ امریکہ سے ۱۹۱۰ء میں ایک مجلہ "نجم الغرب" نامی نکلنا شروع ہوا۔ جس کے سال بھر میں انیس ۱۹ شمارے شائع ہوا کرتے تھے۔ انیس ۱۹ کے عدد کی وجہ تخصیص یہ تھی کہ یہ ہندسہ ان کے یہاں بڑا موثر تھا۔ بہائی یوں بھی اعداد کی قوت تاثیر کے قائل تھے۔ جیسا کہ ہم مرزا علی محمد کا حال بیان کرتے وقت تحریر کر آئے ہیں۔"

مصنف مذکور مزید لکھتا ہے :۔

"بہائیت اضلاع متحدہ امریکہ کے دور افتادہ علاقوں میں پھیل گئی اور شکاگو میں ایک مرکز بھی قائم کر لیا۔" (العقیدۃ والشریعۃ ص۔ ۲۵)

بہائی فرقہ والوں نے عیسائیوں کو ورغلانے کے لئے ان کی کتابوں سے استدلال کرنا شروع کیا اور یہ دعویٰ کھڑا کر دیا کہ عہدِ قدیم و جدید میں بہاء اللہ اور اس کے بیٹے کی بشارت موجود ہے۔ گولڈ تسیہر اس ضمن میں لکھتا ہے :۔

"عباس آفندی کے ظہور سے بہائی مذہب نے تورات و انجیل سے مدد لے کر ایک نیا قالب اختیار کیا۔ تورات و انجیل میں عباس آفندی کے ظہور کی خبر دی گئی تھی اور بتایا گیا تھا کہ وہ امیر و رئیس ہوگا اور عجیب و غریب القاب سے ملقب ہوگا۔ یہ ذکر کتاب اشعیاء کے انیسویں باب کی آیت نمبر ۶ میں مذکور ہے۔ اس میں مرقوم ہے۔

"ہمارے یہاں ایک لڑکا (بہاء اللہ) پیدا ہوگا جسکے گھر میں ایک بچہ جنم لیگا جو بڑا نام پائے گا۔ اسے بڑے القاب و آداب سے یاد کیا جائے گا۔ اور "رئیس السلام" کے نام سے پکارا جائے گا۔" (العقیدۃ والشریعۃ)

یورپی ممالک میں شیوع بہائیت کا راز | یہ ہے بہائیت کی اصلی تصویر، ان کے اپنے اعلانات اور بیانات کی روشنی میں ہم نے اس کے اصول وعقائد کو بلاتحریف وتاویل من وعن بیان کر دیا ہے۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ اس کتاب میں مختلف فرق و مذاہب کے معتقدات ان کے اپنے خیال کے مطابق درج کر دئے جائیں یا جسطرح اس کے حامی تصویر کشی کرتے ہیں۔ یورپین لوگوں نے بہائیت کی حمایت اس لئے کی تھی کہ اس سے اسلامی اصول وقواعد کی تخریب ہوتی ہے۔ (اور انہیں ہر اس بات سے دلچسپی ہوتی ہے جو اسلام کے خلاف ہو)

سابقہ بیانات سے یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ یہ فرقہ مجموعۂ اوہام ہے۔ یہ مذہب امریکہ و یورپ اور ان مسلمانوں میں پھیلا تھا جو دین برحق سے برگشتہ ہو گئے تھے۔ بایں ہمہ یورپین لوگوں کا یہ دعویٰ ہے کہ مسلمانوں میں بہائیت کے پیرو کثیر التعداد ہیں۔ مگر وہ ہدفِ ظلم وستم بننے کے خوف سے اس کا اظہار نہیں کرتے۔ ان کا یہ دعویٰ دلائل سے عاری ہے۔ اس لئے کہ اسرارِ نہانی کا علم صرف خدا کی ذات کو ہے۔ یورپین لوگ بھی غیب دانی کے مدعی نہیں ہیں۔ شاید ان کے یہ اقوال ان کے جذبات واحساسات کے ترجمان ہیں۔ اس لئے کہ ان کا آخری مقصد اسلامی تعلیمات کی تضحیک اور ان کا استخفاف ہے۔ مگر دین حق کے مقابلہ میں ان کی یہ مساعی پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ غصہ سے جان بحق ہو سکتے ہیں۔ مگر ان کی آرزو بر نہیں آسکتی۔ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

بہائی مذہب کے متعلق مصری حکومت کا فیصلہ | یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ مصر کے محکمہ قضاء نے یہ فیصلہ صادر کیا ہے کہ بہائیت آسمانی مذہب نہیں، بلکہ سرے سے کوئی مذہب ہی نہیں۔ خلاف ازیں یہ چند افکارِ پریشان کا مجموعہ ہے، جسکا مقصد اسلام کو نقصان پہنچانا، انارکی پیدا کرنا اور مسلمانوں میں الحاد و دہریت کو پھیلانا ہے۔

انہی وجوہات کی بناء پر مصری حکومت کے اس محکمہ نے جو نکاح کی رجسٹریشن کے سلسلہ میں قائم کیا گیا ہے۔ بہائی مذہب سے متعلق تین اشخاص کے بارے میں یہ فتویٰ دیا تھا کہ وہ اسلامی اصولوں کے منکر ہیں۔ یہ فتویٰ دینے سے قبل مصری قانون کی اس دفعہ کا مطالعہ کر لیا گیا تھا، جو رفاہی انجمنوں اور اجتماعی سوسائٹیوں سے متعلق ہے اس بات کی تحقیق بھی کر لی گئی تھی کہ بہائی مذہب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکی تعلیمات عقائد فاسدہ پر مشتمل اصول دین کے منافض اور مسلمانوں کے انبیاء کتب مقدسہ میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی موجب ہیں۔

مصری حکومت کے محکمہ قضاء کے اراکین قبل ازیں پارلیمنٹ میں ان خیالات کا اظہار کر چکے تھے۔ بلکہ یہاں تک کہہ دیا گیا تھا کہ بہائیت آسمانی مذاہب کے منافی ہے۔

جس ملک (مصر) کا سرکاری مذہب اسلام ہو اور اس میں ایسے عقائد فاسدہ اور ان پر مشتمل کتب کی نشر و اشاعت جن نقصانات کی موجب ہو سکتی ہے۔ ان سے اس سلطنت کی غایت تشکیل ہی فوت ہو جاتی ہے۔ ایسے عقائد کی اشاعت کا منطقی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امن عامہ تباہ ہو جاتا۔ لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہوتے اور انتشار عام پیدا ہو جاتا ہے۔ مزید براں جو مذاہب ملک میں قبل ازیں رائج ہوتے ہیں۔ ان کی تضحیک ہوتی ہے۔ جسکی بناء پر ان پر ایمان رکھنے والے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ اس فتویٰ میں وزارت داخلہ کے اس بیان سے بھی استناد کیا گیا تھا کہ وزارت داخلہ کی تحقیق میں بہائی ٹولہ کوئی مذہبی گروہ نہیں ہے۔

ان وجوہ و اسباب کی روشنی میں مصری پارلیمنٹ کے ادارۂ افتاء نے یہ فیصلہ صادر کر دیا تھا کہ ان تین اشخاص کے نکاح کی توثیق نہیں کی جا سکتی بلکہ یہ نکاح باطل ہے۔ اس لئے کہ بہائیت کا قیام مصر کی سرکاری حکومت کے منشاء کے خلاف ہے۔ (یہ تینوں اشخاص بہائی مذہب سے تعلق رکھتے تھے۔)

اس افتاء کی عبارت سے جو حقیقت آشکارا ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ مصر کا ایک وکیل بہائی مذہب کے چند اشخاص کے نکاح کی توثیق کرانے کے لئے متعلقہ محکمہ میں حاضر ہوا۔ تصدیق کنندہ کو یہ معلوم کرنے کے لئے تامل ہوا، کہ آیا مصری قانون میں بہائی فرقہ کا وجود بھی ہے۔ اور اس کے شخصی حالات اس میں مذکور ہیں یا نہیں۔؟ چنانچہ وزارت داخلہ نے اس کا جواب نفی میں دیا۔ محکمہ توثیق نکاح نے جب مزید تجسس سے کام لیا تو معلوم ہوا کہ بہائیت دین اسلام کو ضرر پہنچانے والا مذہب ہے اور مصری حکومت ایک مذہب کی حیثیت سے اس کا اعتراف نہیں کرتی ـــــ نظر بریں اس کی حمایت سے معذور ہے اور نکاح کی توثیق نہیں کر سکتی۔ الّا یہ کہ بہائیت پر ایک مذہبی گروہ کے علامات واضح ہوں جو توثیق نکاح کے مؤید ہوں۔ تسجیل نکاح سے متعلقہ محکمہ کا اشارہ اس جانب تھا، کہ جن فرقوں کے یہاں عقد نکاح کی مجالس ملّی نہیں ہیں ان کے نکاح کی توثیق شرعی عدالت میں کی جاتی ہے، اور محکمہ ہذا یہ خدمت بجا لانے سے معذور ہے۔ جب اس طریق سے بھی مقصد حاصل نہ ہو سکا تو بہائی فرقہ والے یہ دعویٰ لے کر کھڑے ہو گئے کہ وہ ایک رفاہی اور روحانی انجمن سے متعلق ہیں، لہذا نکاح کی توثیق ناگزیر ہے۔ مگر فتویٰ نے یہ داؤ بھی نہ چلنے دیا۔

بہائی مذہب کی عظیم خاصیت حق بات یہ ہے کہ جب اعداء دین کی مساعی سے دینی دعوت رو با نحطاط ہوتی ہے تو اسلامی دیار و امصار میں بہائیت زور پکڑ لیتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پہلی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد بہائی مذہب نے بڑا عروج حاصل کیا تھا۔ بہائیت اب بھی کہیں کہیں سر نکال رہی ہے، دینی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس کو ملیا میٹ کر دیا جائے یا اسے اس کے مرکز شکاگو کی طرف لوٹا دیا جائے جہاں سے اس کا ظہور ہوا تھا۔ ■■

قادیانی اور قادیانیت عالم عرب کے مشہور مصنف کی نظروں میں

بیشک قادیانیوں کے افکار و آراء مسلمانوں کے اجماعی عقائد کے خلاف ہیں۔ مسلمان عہد نبوی سے لے کر آج تک اس بات کے معتقد رہے ہیں کہ نبی کریم قصر نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ آپ نے صراحۃً فرمایا تھا: لانبی بعدی۔ (میرے بعد نبی نہیں آئیں گے۔) مزید براں مرزا صاحب کے دعاوی بڑے عجیب و غریب ہیں اور ان میں تضاد پایا جاتا ہے۔ ایک طرف وہ اپنے آپ کو مسیح کہتے ہیں اور دوسری جانب مثل مسیح ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس قسم کے متضاد بیانات ان کی تصانیف میں بہت ہیں اور اس پر طرّہ یہ ہے ان کی کوئی دلیل ان کے یہاں نہیں پائی جاتی ان کا سب سے اہم معجزہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے قبل از وقوع کسوف سے آگاہ کر دیا۔ حالانکہ ہیئت دان بکثرت ایسا کرتے ہیں۔ اور انہیں نبوت کا دعویٰ ہوتا ہے نہ رسالت کا۔ بلکہ یہ ایک انسانی فن ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مزید براں یہ پہلو قابل ملاحظہ ہے کہ مرزا صاحب کے عصر و عہد سے قبل یہ فن اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ چکا تھا۔ آپ کی دعوت کا آغاز گذشتہ صدی کے اواخر اور موجودہ صدی کے آغاز میں ہوا اور اس وقت یہ فن مدوّن ہو چکا تھا ۔۔۔ مرزا صاحب کے اقوال دلائل سے مؤید ہیں اور نہ اسلامی اصول و مبادی سے ہم آہنگ ہیں۔ نظر بریں ان اقوال کے پیش نظر مرزا صاحب اسلامی حدود سے تجاوز کر گئے اسلئے کہ نبی کریمؐ ہمیں ایک جادۂ روشن پر چھوڑ گئے تھے جس میں شب و روز کی کوئی تمیز نہیں ۔۔۔ باقی رہا مرزا صاحب کا مجدد والی حدیث سے تمسک، تو اس ضمن میں عرض یہ ہے کہ مجدّدین سابقین نے نبوت کا دعویٰ کیا اور نہ معجزات کا۔ پھر آپ ایک مستثنیٰ شخصیت کیونکر ہو سکتے ہیں؟ حق بات یہ ہے کہ آپ کا قریبی تعلق ائمہ شیعہ سے ہے۔ شیعہ کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے ائمہ معصوم و ملہم ہیں۔ اور ان کے ہاتھوں معجزات کا صدور ہوتا ہے۔ تاہم وہ یہ نہیں کہتے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ یا وہ خدا سے شرف ہم کلامی حاصل کرتے ہیں۔ بہرحال مرزا صاحب کی تعلیمات کا اسلام سے کوئی سروکار نہیں ۔۔۔ (ترجمہ از المذاہب الاسلامیہ للشیخ ابی زہرہ)

ڈاکٹر سید محمد یوسف، صدر شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی

سائنسی ترقی اسلام کو ماڈرن بنانا چاہتی ہے

راولپنڈی کے بین الاقوامی اسلامی کانفرنس میں ڈاکٹر صاحب کا مقالہ صنم خانہ میں اذان کا مصداق تھا اور پورا مقالہ الحق میں شائع کرنے کے قابل، مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ہم مقالہ کا وہ حصہ یہاں پیش کرتے ہیں جو اسکی جان ہے۔ ـــ ادارہ ـــ

★

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "ایحسب الانسان ان یترک سدی" ـــ انسان کے شتر بے مہار کی طرح ہونے کے معنی یہی ہیں کہ وحی کو اولیت دئے بغیر تمام تر اپنی عقل پر بھروسہ کرے، عقل ہی کو معیار قرار دے۔ ایسے انسان کو حقیقت میں وحی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ لیکن معاشرہ کے دباؤ اور اخلاقی جرأت کی کمی کے باعث وحی سے ناطہ توڑ بھی نہیں سکتا۔ اس بے عقل ہی کی زیرکی سے کام لے کر عقل کے فتویٰ کو مذہب پر نافذ کرنا چاہتا ہے۔ اس عقلِ بے مہار یا عقلِ بے عقال کے مقابلہ میں "عقلِ مسلم" کا دائرہ عمل اور طریق کار دونوں بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ عقلِ مسلم کا دائرہ عمل صرف فقہ ہوتا ہے۔ یعنی نصوص کا علم و فہم اور ان سے استنباط احکام مماثل حالات میں قیاس اور جہاں نص موجود نہ ہو وہاں دین کے اقتضا کی بابت تحرّی اور اجتہاد۔ یاد رہے کہ دین کے اقتضا کی بابت تحرّی

عقل کی حدود

اور اجتہاد محض عقلی کاوش سے بالکل مختلف ہے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ایک مسلم جسے سمت قبلہ معلوم نہیں وہ کیا کریگا؟ اگر وہ ایسی صورت میں اپنے آپ کو آزاد سمجھتا ہے کہ جس سمت اس کا دل چاہے یا جس سمت کھڑا ہونا اس کو خوشگوار اور آرام دہ معلوم ہو اسی سمت نماز پڑھ لے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ عقل نے رسی تڑا لی اور پھر بے مہار ہو گئی۔ یہ تحرّی ہے۔ اور اگر وہ سمت قبلہ معلوم نہ ہونے کی صورت میں بھی اپنے آپ کو سمت قبلہ کا پابند سمجھتا ہے تو وہ اپنی مرضی اور آرام سے قطع نظر عقل

کی کاوش اور کوشش اس میں صرف کرے گا کہ سمت قبلہ کس طرف ہو سکتی ہے۔ اسطرح عقل بدستور مسلم رہے گی۔ اور اس کا نام "تحرز" نہیں "تحری" اور اجتہاد ہوگا۔

اسلام اور تجدد | یہاں جزئیات میں نہیں پڑنا، صرف عام ذہنیت اور رجحانات سے بحث ہے۔ یہی رجحان جس کو ابھی "تحری" کا نام دیا گیا، اس کا ایک شاخسانہ یہ ہے کہ دین کے اداروں کی ہیئت ـــــ مثلاً زکوٰۃ اور قطع ید کی ہیئت ـــــ بھی دیوارِ زنداں معلوم ہونے لگتی ہے۔ اس ہیئت کی مخاطب صرف "عقلِ مسلم" ہے۔ اس کی مخاطب عقلِ محض ہو ہی نہیں سکتی۔ جب یہ ہیئت دیوارِ زنداں معلوم ہونے لگے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ "عقلِ مسلم" معلق بن کر رہ گئی ہے۔ اور عقلِ محض پس پردہ کار فرما ہے۔ یہ عقلِ محض ہی تو ہے جو یہ بتاتی ہے کہ موجودہ دنیا میں غیر اسلامی افکار کے فیشن شو (FASHION SHOW) میں شمولیت کے لئے ہیئت بدلنا ضروری ہے، اور ہیئت میں رکھا کیا ہے؟ تمام اسلامی اداروں اور اسلامی احکام کے ساتھ وہی عمل کرو جو ایک ماہر کیمیا اپنی تجربہ گاہ میں کیا کرتا ہے۔ ان اداروں یا احکام سے ان کی روح اور ان کی اقدار کو جدا کرو اور پھر انہیں وہ شکل و ہیئت دیدو جو زمانہ حال میں مقبول ہو۔ مسلمان کے مسلمان رہو گے، اور "ماڈرن" بھی بن جاؤ گے۔ اپنے بھی خوش رہیں گے اور غیروں کی محفل میں بھی باریابی کا شرف حاصل ہوگا۔ یاد آیا کہ قدیم فلسفیوں کا ایک گروہ تھا جو اپنے وجود میں بھی شک کرتا تھا۔ مسلم فلاسفہ ان سے تنگ تھے۔ خود اپنے وجود کی دلیل دوسروں سے مانگتے تھے۔ اور جو بھی دلیل دی جائے اس کا انکار کر دیتے تھے۔ بالآخر ایک منچلے چلبلے نے یہ تجویز کی کہ انہیں خوب پیٹا جائے۔ یہاں تک کہ یہ چلا اٹھیں: "میں ہوں اس لئے کہ میں چوٹ کی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔" یہ علاج کہیں زیادہ کارگر تھا۔ اس علاج بالنفس سے کہ "میں ہوں اس لئے کہ میں فکر کرتا ہوں۔" ان روح نکالنے والوں سے بھی کوئی پوچھے کہ اگر آپ کی روح آپ کی جسمانی ہیئت سے جدا کر دی جائے تو آپ کہاں رہیں گے۔؟ خیر! یہ تو مناظرانہ جواب تھا۔ ٹھنڈے دل سے کہنے کی بات یہ ہے کہ اسلام کی اقدار تو وہی کی وہی ہیں جو عقلِ محض، عقلِ سلیم (دعوت قبول کرنے سے قبل) سے ابلتی اور ابھرتی ہیں۔ انسان کی فطرت میں خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو اسلام اور عقلِ محض یا فطرتِ انسانی میں بھی ویسا ہی تصادم نظر آئے جس کی مثالیں بعض دوسرے مذاہب میں ملتی ہیں۔ مگر اسلام تو دینِ فطرت ہے۔ "فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔" اسلامی اقدار کا فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہونا تو خود اسلام کے دعویٰ کے بموجب ضروری ہے، پھر اسلام کی ضرورت کیا ہے؟ عقلِ محض ہی کیوں کافی نہ ہو۔؟ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام عقلِ انسانی کی جو مدد کرتا ہے وہ صرف

اتنی ہے کہ ان اقدار کے لئے جو فطرتِ انسانی میں ودیعت کی گئی ہیں، عمل کی ایک مخصوص شکل و ہیئت پیش کرتا ہے۔ اقدار تو عقلِ محض کے لئے اجنبی نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ کسی کی گرفت ان پر نسبتاً مضبوط ہو اور کسی کی ڈھیلی۔ البتہ عقلِ محض ہمیشہ سے اسی میں سرگرداں اور ناکام رہی ہے کہ ان اقدار کو انسان کی عبادات، معاملات اور پوری کی پوری ظاہری اور باطنی زندگی میں کیا منظم اور جامع شکل و ہیئت دی جائے۔ مثال کے طور پر چوری عقلِ انسانی کے نزدیک قابلِ سزا ہے۔ جو چوری کرتا ہو وہ بھی اپنے آپ کو چور کہلانا پسند نہیں کرے گا۔ یہاں تک کہنا چاہیئے کہ اسلام عقلِ سلیم کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے، جہاں عقل کے پر جلنے لگتے ہیں اور اسلام آگے بڑھتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ مکمل ضابطۂ حیات میں اس جرم کی وضع اس کا درجہ اور اس درجہ کے مطابق اسکی سزا اور سزا کی نوعیت اور سادہ اور عام فہم حد معین کرتا ہے۔ ایک اور مثال لیجئے! غنی کا زائد از حاجت دولت سے فقیر کی حاجت روائی کرنا ایک فطری انسانی جذبہ ہے۔ عقل کے نزدیک مستحسن ہے۔ لیکن چونکہ عقل مکمل ضابطۂ حیات میں اسکی شکل معین کرنے سے عاجز ہے، اسی لئے یہ جذبہ بسا اوقات عملی طور سے غیر فعال اور بے کار ہو جاتا ہے۔ اور بہت نیچے دب کر جب پورے زور سے اُبھرتا ہے۔ تو کیمونزم جیسی شکلیں اختیار کر لیتا ہے۔ جسے کہنا چاہیئے کہ اس انسانی جذبہ کی غلط تفسیر ہے۔ اسلام اس فطری جذبہ کو اس انسانی قدر کو اس عقلِ سلیم کے تقاضے کو ایک سادہ مگر نہایت ہی واضح اور عام فہم شکل و ہیئت دیتا ہے۔ جسکی تعیین میں یہ امر ملحوظ ہے کہ وہ سارے نظامِ حیات سے پوری طرح ہم آہنگ ہو۔ اب سوچیئے کہ اعمال اور ضابطۂ حیات کی ہیئت اور شکل بدل دینے سے اسلام اور وحی کا حصہ تو ختم ہو گیا، باقی جو رہ گیا وہ عقلِ محض اور سادہ فطرت کا حصہ ہے۔ جو دین تو دین دنیا کی فلاح کے لئے بھی ناکافی ہے۔

دو ذہنیتوں کا فرق ایک اور طریقہ سے دو ذہنیتوں کا فرق دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک ذہنیت صحابہؓ کی تھی جو ہر موقع پر کہا کرتے تھے، افسوس رسول اللہ سے یہ نہ پوچھ لیا، یعنی وہ اعمال کی ہیئات و اشکال کی تعیین میں وحی کی مدد کے مزید طالب تھے۔ دوسری ذہنیت اس بیسویں صدی میں ہماری ہے کہ جو ہیئات و اشکال خدا کی طرف سے ہمیں دی گئی ہیں، ان سے دل تنگ ہیں۔ اور چاہتے ہیں کہ یہ ہیئات و اشکال بھی معین نہ ہوتیں اور اسلام کنفیوشس کی تعلیمات کی طرح صرف مبہم اقدار کا مجموعہ ہی رہتا تو کیسا اچھا ہوتا، پھر ہم کیسے آزاد ہوتے۔ چونکہ ان ہیئات و اشکال

صحابہ کرامؓ اور بیسویں صدی کی ذہنیتوں کا فرق

کا تعین ثابت ہے۔ اور تیرہ صدیوں نے ان پر اعتراف کی مہر ثبت کر دی ہے۔ اس لئے اب
ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ ہئیات و اشکال قرون اولی کے لئے تھیں، ہمارے لئے نہیں۔ یہ ذہنی تجرد"
ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ سارا عذر یہ ہے کہ ہمیں بیسویں صدی میں رہنا ہے۔ اور اس زمانے کے
رجحانات کا ساتھ دینا ہے۔ اچھا تو اس زمانے کے رجحانات کیا ہیں۔؟ سائنس کی ترقی، صنعت،
تجارت۔ رہی جمہوریت تو اس کا بھاؤ آجکل گرا ہوا ہے۔ اسکی بھی قدر ہی قدر باقی رہ گئی ہے۔ شکل وہیئت
تو ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے مختلف ممالک میں بیسویں بار بدلی اور اب بھی آئے دن بدلتی رہتی ہے۔
سوشلزم سے ابھی آنکھ لڑی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

انگریز نے تعلیم یافتہ کو اسلام سے رخصت دلا دی

اچھا تو کوئی بتائے کہ سائنس کی ترقی کے لئے اسلامی نظام حیات کی کونسی اشکال وہئیات میں تبدیلی ضروری ہے۔؟ سائنس علم ہے
علم کاوش چاہتا ہے۔ خدا ہمیں بھی توفیق دے، نظام چاہے امریکہ کا ہو، چاہے روس کا، چاہے
ماؤزے تنگ کا ہو چاہے چیانگ کائی شیک کا، اور ہاں چاہے میکاڈو کے جاپان کا۔ جس نے
جتنی محنت کی اس نے اتنی علم میں ترقی کی، اگر آج ہم سائنس میں پیچھے ہیں تو اس کے تمام تر ہمارے
سائنس دان ہیں نہ کہ مولوی ملا۔ تقریباً پندرھویں صدی تک سائنسی علوم کی مشعل ہمارے ہاتھ میں تھی اور
اس وقت تک ہم نے اسلامی نظام حیات میں علوم کی ترقی کی خاطر کسی تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں
کی تھی۔ ہمارے سائنسدان صرف ایک رخصت کے طالب ہو سکتے ہیں، اور وہ یہ کہ انہیں اسلامی
علوم سے
قرآن و حدیث سے معاف کر دیا جائے۔ اس میں
شک

سائنس میں پیچھے رہنے کے ذمہ دار سائنسدان ہیں نہ کہ علماء

نہیں کہ ہمارے
انیسویں
لائق صد تعظیم و تکریم علماء[1] یہ رخصت دینے کو تیار نہ
صدی کے
تھے لیکن انگریز
نے نہ صرف سائنسدانوں کو بلکہ ہر "تعلیم یافتہ" مسلمان کو اسلامی علوم سے رخصت دلا ہی دی۔ سرسید

---

[1] یہ وہ علماء ہیں جنہوں نے انگریزی پڑھی، عبرانی پڑھی، توراۃ پڑھی، انجیل پڑھی، اور علمی سطح پر عیسائی پادریوں کو شکست فاش دی۔ انہوں نے عملی سیاست میں گراں قدر حصہ لیا۔ دینی تعلیم اور اسلامی علوم کے حق میں جدید انگریزی تعلیم کے جن نتائج وعواقب کی انہوں نے پہلے روز پیش گوئی کی تھی وہ سو فی صد صحیح ثابت ہوئی

کو صرف ایک فکر تھی اور وہ یہ کہ مسلمانوں کو حکومت اور سیاست میں وہ مقام مل جائے جو ایک مستقل قوم کے شایانِ شان ہو اور ان کے ساتھ وہ سلوک نہ ہو جو ایک ناکارہ اور معاند اقلیت کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس مقصد کی خاطر انہوں نے بھی اسلامی علوم سے رخصت دینا گوارا کر لیا۔ ان کا خیال تھا کہ اسلامی علوم کی تلافی اسلامی تربیت سے ہو جائے گی۔ انہوں نے خلوص اور نیک نیتی سے جو چاہا تھا وہ تو اللہ نے پورا کر دیا اور علیگڑھ کی بدولت مسلمانوں کو حکومت میں مناصب ملے اور سیاست میں پاکستان ملا۔ لیکن ان کا یہ خیال غلط ثابت ہوا اور یہ سراسر غلط تھا ہی کہ علم کی تلافی کسی درجہ میں بھی تربیت سے ہو سکتی ہے۔ تربیت علم سے فائدہ اٹھانا سکھاتی ہے، علم کی جگہ تو نہیں لے سکتی۔ چنانچہ اسلامی علوم سے جدید تعلیم یافتہ طبقہ محروم رہا۔ شبلی کو اس کا اندازہ تھا۔ اور اکبر کی دور رس نگاہ تو وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جو آج پیش آرہا ہے ؎

سرسیدؒ کا خیال غلط نکلا

شکر ہے راہ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآن بھی پڑھتے ہو؟
دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس "الف بے" ہو علیگڑھ تے ہو

یہ بات تو کھری ہے، ہرگز نہیں ہے کھوٹی
عربی میں نظم ملت بی۔ اے میں صرف روٹی
لیکن جناب لیڈر یہ شعر سن کے بولے
بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے
کس کی نظر ہے غائر، کس کی نظر ہے موٹی

الغرض ایک صدی سے زیادہ عرصہ ہو گیا کہ ہمارے سائنسدان علومِ اسلامیہ سے بے بہرہ ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس میں قوم کا نقصان ہے یا فائدہ، لیکن اتنا تو ہے کہ اگر ہمارے سائنسدان کمال پیدا نہ کر سکیں تو ان کے لئے دین، مذہب یا مولوی ملاّ کے سر الزام دھرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ جب تک ہمارے سائنسدان علومِ اسلامیہ سے بے بہرہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے تعلق بھی تھے، اس وقت تک کم از کم ان کی دیانتداری کا بھرم تھا۔ لیکن گذشتہ بیس سال سے یعنی قیامِ پاکستان کے بعد سے ہمارے سائنسدانوں کو بھی یہ شوق ہوا ہے کہ وقتاً فوقتاً اپنے

یہاں اسلام ایک مالدار یتیم بچے کی طرح ہے

معمل اور تجربہ گاہوں کی حدود سے نکل کر اسلام کی آبیاری اور سرپرستی کریں۔ دراصل پاکستان میں اسلام کی حیثیت ایک یتیم مگر مالدار بچے کی ہے جس کا متولی اور سرپرست بننے کا ہر ایک ہی خواہشمند ہے۔ لیکن اس دوڑ میں سائنسدان کے شریک ہونے سے سائنس کے وقار کو بٹہ لگتا ہے۔ ہم غیر سائنسدان سائنس کو احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ اس میں اٹکل پچو باتوں کی اور خیال آرائی اور لاف زنی کی گنجائش نہیں، اسی لئے ہم کبھی سائنس کی حدود میں قدم رکھنے کی جرأت نہیں کرتے اور اگر بے غیرتی لاد کر کبھی جرأت کر بھی بیٹھیں تو سائنس کے پاسبانوں سے امید نہیں کہ وہ ذرا بھی مروّت اور رواداری سے کام لیں گے۔ اس کے مقابلے میں جب سائنسداں اسلام کی حدود میں سرگشت کو نکل آتے ہیں تو انہیں دیکھ کر سب سے پہلے سائنس کے ساتھ ان کی وفاداری میں شک ہونے لگتا ہے۔ جو سائنسدان بغیر علم کے کسی بھی مسئلہ پر بولے اس کے متعلق یہ کہنا صحیح ہوگا، کہ اس نے سائنس کا پہلا سبق بھی نہیں سیکھا۔

اسلام کائنات میں غور و فکر کی دعوت کیوں دیتا ہے۔؟

کہتے ہیں اور بار بار اسی کو دہراتے ہیں کہ اسلام مطالعۂ کائنات اور تسخیر کائنات پر زور دیتا ہے۔ ٹھیک ہے، توحید دعوت کے مرحلہ میں اسلام انسان کے اس فطری رحجان کا واسطہ دیتا ہے اور اس سے ہدایت کا راستہ نکالتا ہے۔ قبول دعوت کے بعد بھی اسلام انسان کے اس فطری رحجان کو آزاد چھوڑتا ہے۔ اور چونکہ مادّہ کوئی گھناؤنی چیز نہیں، دنیاکی آسائشیں اللہ کی نعمت ہیں اور ان سے جائز حدود میں تمتع بندہ کی طرف سے اللہ کے شکر کا موجب ہوتا ہے اور شکر اللہ کیطرف سے زیادتی کا ارمغان لاتا ہے۔ اس لئے اجازت ہے، بلکہ پسندیدہ اور مستحب ہے کہ تسخیر کائنات کرتا چلا جائے۔ اور جہاں تک تسخیر کائنات سے پیدا ہونے والی فوجی مسلح طاقت کا تعلق ہے تو وہ تو فرض ہے کہ اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا جائے، لیکن مطالعہ کائنات اور تسخیر کائنات تو انسان کی فطرت میں ہے۔ اگر کوئی دین مذہب اس پر قدغن لگائے بھی تو انسان اس دین مذہب کے خلاف بغاوت کر دیتا ہے۔ پھر اس کے لئے عقل انسانی بالکل کافی ہے۔ وحی سائنس نہیں بلکہ مکارم اخلاق کی تعلیم اور تکمیل کے لئے آئی ہے۔ چنانچہ وحی مطالعہ کائنات کیطرف شوق دلانے والے اور معنی خیز مفید مطلب اشارے کر کے آگے بڑھ جاتی ہے، اور قبول دعوت کے بعد وحی تمامتر اہتمام کتاب اللہ کی تعلیم کا کرتی ہے۔ جو کہ زندگی کی غایت اصلی ہے۔ قرآن کے مجموعی نظام میں کتاب فطرت کی حیثیت وہی ہے جو قصیدہ میں تشبیب کی ہوا کرتی ہے۔ کتاب اللہ کا درجہ

مدیح یا قصیدہ کے مقصد اصلی کا ہے۔ قبولِ دعوت گویا کہ مخلص یا گریز ہے۔ چنانچہ جیسے ہی حسنِ فطرت کے ذکر سے سامع کی توجہ حاصل ہوتی ہے، اس کے سامنے اللہ کا ذکر اور اس کا کلام رکھ دیا جاتا ہے۔ اور یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ اللہ کے کلام کو پڑھے، اسے سمجھے، اس میں غور و فکر کرے، استنباط احکام کرے اور دنیا میں شریعت نافذ کرے۔ ہمارے سائنسدان جو سُنی سنائی ادھوری بات لے اڑتے ہیں، اس سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ یہ تاکید کرنے کے لئے ہی نازل کی گئی تھی کہ کبھی کتاب اللہ نہ پڑھنا، سیرت کو سنوارنے کی فکر نہ کرنا، بس مطالعۂ کائنات اور تسخیرِ فطرت میں لگے رہنا۔ اللہ کی اطاعت صرف اس میں ہے کہ چاند پر پہنچ جانا۔ چاند پر قرآن لے کر جانے سے حاصل ہ؟ کیا سائینسدانوں کی ساری جدوجہد اس لئے ہے کہ وہاں علمائے دین آباد کئے جائیں جو اس زمین پر بارِ دوش ہیں۔؟ کوئی میری باتوں کو ہذیان نہ سمجھے، سب کو یاد ہونا چاہیئے کہ ہمارے متعدد سائینس دان متعدد بار منبرِ عام سے یہ کہہ چکے ہیں کہ اگر پاکستان کی فلاح مطلوب ہے تو نہ صرف اسلامی علوم بلکہ تمام آرٹس کے شعبوں میں تالے ڈال دینا چاہیئے، یہ عقل کی رعونت بھی ہے، اور بہانہ تراشی بھی۔ اس رعونت کے ساتھ جب کوئی اپنے مقاصد کے لئے اسلام کو بیچ میں لائے تو اسے مصلحت پرستی کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔

اسی ذیل میں یہ کوشش بھی کی جاتی ہے کہ قرآن میں جو "الحکمۃ" کا لفظ استعمال ہوا ہے اُسے سائینس کے مترادف قرار دیا جائے۔ قرآن کو علوم طبیعیہ کی تعلیم سے کوئی سروکار نہیں، قرآن تو کتاب کے ساتھ اخلاق کی عملی تربیت کا اہتمام کرتا ہے۔ "الحکمۃ" سے یہی مراد ہو سکتی ہے اور ہے۔ ■

بقیہ: احوال وکوائف

اور سوڈان کے بعض حضرات نے تبلیغ کی اہمیت پر عربی میں تقریریں فرمائیں۔

امتحانات | صفر کے پہلے ہفتہ میں دارالعلوم کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے جو تقریباً ایک ہفتہ جاری رہے۔ ابتدائی کتابوں کا امتحان تقریری اور وسطانی و درجۂ علیا کا امتحان پرچوں کے ذریعہ لیا گیا۔

ناظرہ کورس | محکمہ تعلیم پشاور ریجن گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی تعطیلات گرما میں سکولوں کے اساتذہ کو ناظرہ قرآن کا ریفرشیر کورس کرا رہا ہے۔ پچھلے سال کیطرح اس دفعہ بھی محکمہ کی خواہش پر اس کورس کے سنٹروں کے لئے دارالعلوم نے فضلاء اور علماء مہیا کئے۔ جو ۸ اور ۱۱ جولائی سے اساتذہ مدارس کو ناظرہ قرآن کریم پڑھائیں گے۔

دعوت و عزیمت کے علمبردار

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

صدیاں گذر گئیں عشاق کے ذکر میں آج یہ تاثیر ہے، تو ان کی پاک صورتوں اور صحبتوں کی گہرائیوں اور دلربائیوں کا کیا حال ہوگا۔؟ (مولانا آزادؒ)

آج کی محفل میں انہی عشاق میں سے ایک ایسے مردِ حق شناس، بلند ہمت اور صاحب عزیمت کا ذکر کرنے کے لئے قلم اٹھایا گیا ہے جسکی قبر انور پر کھڑے ہو کر اقبال مرحوم نے یوں خراج عقیدت پیش کیا ۔

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار
اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جسکی جہانگیر کے آگے — جسکے نفس گرم سے ہے گرمیٔ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان — اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار (بالِ جبریل)

اور جس کی عظمتوں اور رفعتوں کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر آرنلڈ اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں رقمطراز ہے کہ :

"شہنشاہ جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۸ء) کے عہد میں ایک سنی عالم شیخ احمد مجدد نامی تھے جو بدعتی عقائد کی تردید میں خاص طور پر مشہور تھے "بدعتیوں" کو اس وقت دربار میں رسوخ حاصل تھا۔ ان لوگوں نے کسی بہانے انہیں قید کرا دیا دو برس وہ قید میں رہے۔ اس مدت میں انہوں نے اپنے رفقاء زندان میں سے سینکڑوں بت پرستوں کو اسلام کا حلقہ بگوش بنا لیا" ؎

اللہ اللہ کتنی صحیح اور درست شہادت ہے۔ مقام مجدد پر اعداء کی طرف سے ع

والفضل ما شهدت به الاعداء

؎ ص ۴۱۲ طبع ثالث

اس سے آگے بڑھیں انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں ہے کہ :

"ہندوستان میں سترہویں صدی میں ایک عالم جن کا نام شیخ احمد مجدد تھا، جو ناحق قید کر دئے گئے تھے ان کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے اپنے قید خانے کے ساتھیوں میں سے کئی سو بت پرستوں کو مسلمان بنالیا"۔ [1]

یہ تذکرہ ہے اس صاحب عزیمت کا جس سے سازشی عناصر کے بہکانے پر شہنشاہ جہانگیر سر دربار سجدہ کی توقع کئے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ "ایوان صدارت" میں داخل ہو کر بلا خوف و خطر نہایت ہی پر اعتماد اور پروقار لہجہ میں مغل بادشاہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

"بجز خلاق جہاںؐ کے کسی اور کو سجدہ روا نہیں، اور اے جہانگیر کیا یہ ایک کھلی ہوئی سفاہت نہیں کہ میں اپنے ہی جیسے ایک مجبور و بے بس انسان کے آگے جھکوں"

اور جہانگیر ان کا منہ تکتا رہ گیا، اسے سمجھ نہیں آتی تھی کہ اس گدڑی پوش فقیر کا کیا کرے ؟ آخر وہ جھنجھلا کر سزائے موت کا حکم صادر کرتا۔ لیکن جیسا کہ اس حکم پر اسے کسی غیبی طاقت نے جھنجھوڑا وہ فوری طور پر اسے منسوخ کر کے سزائے قید کا اعلان کرتا ہے۔ اور حضرت شیخ کو اجین کے قلعہ گوالیار میں نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ جہاں سینکڑوں اخلاقی قیدی موجود ہیں۔ اس نرالے قیدی اور جرم گوئی کے مجرم کے پہنچنے سے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں، وہی جن کا ذکر ابھی آپ نے سطور بالا میں پڑھا ہے۔

میرا جی چاہتا ہے کہ رئیس المجددین کی مبارک زندگی پر ذرا تفصیلی روشنی ڈالوں، کیا عجب کہ اس قلندر و مرد دانا کے توسط سے داور محشر کی عدالت میں روسیاہی سے بچ جاؤں۔ میرے یہ جملے بلاوجہ نہیں حضرت مجددؒ اپنے رسالہ مبدأ و معاد میں "تحدیث نعمت کے تحت ارقام فرماتے ہیں کہ ایک روز حلقہ احباب میں بیٹھا تھا کہ اپنی خرابیاں اس حد تک سامنے آنے لگیں کہ فقر و درویشی سے ذرا مناسبت معلوم نہ ہوتی تھی۔ اسی اثنا میں حدیث نبوی من تواضع اللہ رفعہ اللہ کے موافق اس دور افتادہ کو خاک ذلت سے اٹھایا گیا اور یکبارگی دل میں یہ آواز سنائی دی غفرت لك ولمن توسل بك الخ بواسطة او بغیر واسطة الی یوم القیامة ۔ اس مضمون کو بار بار فرما کر مجھے نوازا اور اس حد تک کہ شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ رہی اور اس کے بعد اس الہام کے ظاہر کرنے پر مجھے مامور کیا ۔

اگر بادشاہ بر در پیر زن — بیاید تو اے خواجہ سلت مکن

---

[1] ج ۲، ص ۴۲

شانِ مجددیت | حقیقت تو یہ ہے کہ بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند آپ کا مجدد الف ثانی ہونا ہی عظمت و رفعت کی ایسی دلیل ہے کہ لامزید علیہ، جی چاہتا ہے کہ قاری صاحب موصوف کے ارشادات نقل کر کے مقامِ مجددیت و الف ثانی کو واضح کر دیا جائے! پڑھئے اور سر دھنئے:

"حضرت مجدد صاحب کی تاریخی حیثیت سے کتنی ہی طویل وعریض سوانح لکھ لی جائے۔ لیکن ساری سوانح حیات کی وہ روح جس سے ان کی ذاتِ گرامی دنیا میں آفتاب بن کر چمکی اور آج بھی اپنے اندر وہی جذب مقناطیسی کا اثر رکھتی ہے۔ صرف ایک ہی صفتِ جمیلہ ہے جو ان کے اس لقب "مجدد" سے نمایاں ہے۔ کسی ذات کا مجدد مان لینا اس کے غیر معمولی کمالاتِ علمیہ وعملیہ کا اقرار کر لینا ہے۔ کیونکہ تجدید دین کا منصب اصلی تو انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ اور پھر اس میدان کے مرد وہ ہیں جو نبوت کے ترکہ کے وارث بن کر اس سے کوئی غیر معمولی حصہ پائیں۔ پس جس طرح کسی ذات کو نبی مان لینے سے اس کیلئے تمام بشری کمالات کا اقرار خود بخود لازم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کسی کو مجدد تسلیم کر لئے جانے سے اس میں وراثتِ نبوت کے غیر معمولی حظوظ کا اعتراف بھی خود بخود ہی لازم ہو جاتا ہے ——— منصب نبوت سے عہدہ مجددیت کی اس نسبت ہی کا یہ اثر ہے کہ جسطرح انبیاء علیہم السلام کو یہ منصب جلیل کسی اپنی شخصی جدوجہد یا کسی اجتماعی یا جماعتی تجویز سے نہیں ملتا۔ اسی طرح مجددوں کو بھی عہدہ تجدید نہ ان کی اپنی ذاتی جانفشانی ومحنت سے ہاتھ لگتا ہے نہ کسی جماعت کے من سمجھوتہ سے، بلکہ یہ محض من اللہ ایک موہبۂ عظمیٰ ہوتی ہے جس کے لئے غیبی انتخاب سے افراد چن لئے جاتے ہیں اور مخلوق کے دلوں میں ان کی مقبولیت خود بخود قائم کر دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جسطرح قرآن کریم نے انبیاء کرام کیلئے بعثت من اللہ کا لفظ اختیار کیا ہے، جیسے: ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم۔ یا جیسے حتی نبعث رسولا۔ یا جیسے بعثنا الیھم رسلا۔ وغیرہ ٹھیک اسی طرح حدیث نبوی نے مجددوں کیلئے بھی یہی "بعثت من اللہ" کا کلمہ اختیار کیا ہے۔ ارشادِ نبوی ہے۔ ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا۔ (مشکوٰۃ) اور جیسے قرآن نے نبی کا انتخاب من اللہ بتلایا ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ۔ ایسے ہی اس حدیث میں مجدد کی نسبت بھی ان اللہ یبعث فرمایا گیا ہے جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان دونوں منصبوں کا انتخاب من جانب اللہ ہی ہوتا ہے۔ فرق اگر ہے

تو یہ کہ نبوت اصل ہے۔ اور تجدید اس کا ظل ہے۔ وہاں الہام قطعی ہے۔ جسکو وحی کہتے ہیں۔ یہاں ظنی ہے۔ اس کا منکر خارج از اسلام ہے اس کا منکر خارج از صلاح و تقویٰ ہے۔ بہر صورت مجددیت نبوت کا ایک نہایت ہی روشن اور درخشاں پرتو ہے۔ اس لئے مجدد علم و عمل کے لحاظ سے نبی کا سایہ اور اخلاق و ملکات کے لحاظ سے نبی کا نمونہ ہوتا ہے۔ پس مجدد کہہ لینے کے بعد کسی اور منقبت کا درجہ ہی نہیں رہتا کہ اس کے ذریعہ مجدد کی تعریف کی جائے اور اگر کی جائے گی تو وہ اسی وصف تجدید کی تفصیل ہوگی جسکا متن لفظ مجدد ہوگا پس اگر حضرت مجدد صاحبؒ مسلّمہ مجدد ہیں اور ضرور ہیں، تو ان کی ہمہ منقبت یہی ہے کہ وہ "مجدد" ہیں اور الف ثانی کے مجدد ہیں۔"

آگے چلیں اور الف ثانی کے متعلق سنیں یہاں بھی مضمون قاری صاحب کا ہے لیکن ہم نے بخوفِ طوالت تلخیص کر دی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:

"الف ثانی (دوسرا ہزارہ) کا آغاز امت کے حق میں تمام اگلے پچھلے فتنوں کا فتح باب تھا کیونکہ امت کی خیریت ختم ہو جانے سے متعلق حضور ختمی مرتبت فداہ روحی وجسدی کے دو ارشاد ہیں یعنی پانچسو سال اور ہزار سال! جیسا کہ دونوں روایات احادیث میں موجود ہیں ـــ اور ارباب نظر سے مخفی نہیں کہ پانچ صدیاں گذر جانے پر فتنہ تاتار نے جو تہلکہ مچایا اس سے نہ صرف خیریت امت بلکہ جہاں سے مسلمانوں کا اور ان کی شوکت و قوت کا استیصال ہو چکا تھا۔ لیکن حافظ حقیقی نے بالآخر انہی تاتاریوں کے دلوں کو مائل بہ اسلام کیا اور وہ قبول اسلام پر مجبور ہو گئے اور اسی پہ بس نہیں بلکہ خلافت عثمانیہ کا سنگ بنیاد رکھکر اسلام کی وکالت شروع کر دی ؎ ہے عیاں یورشِ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے ـــ اور حقیقت میں یہ قصر خلافت نہیں بلکہ قصر امت کا سنگ بنیاد تھا۔ پس قلب نبوی پر یہ فتنہ منکشف ہوا تو آپ نے امت کی عمر پانسو سال ارشاد فرمائی چھٹی صدی سے گویا امت کی تعمیر نو شروع ہوئی اور اس کے علوم و کمالات کی اشاعت کا ایک بہترین دور شروع ہوا لیکن پھر دس صدیوں کے اختتام تک جو حالت ہوتی اور جسطرح ملی قدریں پامال ہوئیں مسلمان زبوں حالی کا شکار ہوا تخریبی قوتوں نے جس عیاری و مکاری سے ملتِ اسلامیہ کی جدید بنیادوں میں تزلزل پیدا کیا اور بالخصوص ہندوستان میں بابر سے لیکر اکبر تک مخصوص حالات کے پیش نظر جس انتہائی ناگفتہ بہ اور ملت کش تحریک نے جنم لیا اسکی تفصیلات سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور طوالت کا بھی خطرہ ہے اس لئے قارئین کو اشارات سے واقف کراتا ہوا اسطرف توجہ دلاتا ہوں کہ دس

صدیوں تک کی اختتام کی حالت کو دیکھ کر آپ خود اندازہ فرمالیں کہ اس وقت جو مجدد ہوگا اسکی روحانیت کس قدر بلند پایہ اور اس کا طرز تعلیم کس درجہ مؤثر اور ہمہ گیر ہوگا جو ان فتن میں امت کے ایمانوں کی نگہبانی کرے۔ اور ان ظاہری و باطنی آفات کے تھپیڑوں میں کشتی اسلام کو کھیتا ہوا کنارے آلگائے۔ وہی الف ثانی کے مجدد حضرت امام ربانی ہیں جن کے علوم و معارف نے دنیائے کفر و ضلال میں تہلکہ مچا دیا۔ تعلیمات شیخ کے سارے گوشے نہ سہی صرف مکتوبات امام کو بیک نظر ملاحظہ فرمائیں۔ اللہ اللہ علوم ظاہری و باطنی کا ایک اتھاہ سمندر ہے جسکی گہرائیوں کا علم نہیں جن میں حقائق شرعیہ و اسرار فقہیہ کا عدیم المثال ذخیرہ موجود ہے۔ خوارق و کرامات کا سمندر امڈ رہا ہے۔ پھر چونکہ اس دور کا سب سے گہرا مرض ابتداع و بدعت پسندی تھا جو پوری عمارتِ دین کو منہدم کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے نباض سرہند اور حکیم اسلام نے جتنی اس پر توجہ دی شاید کسی دوسرے مسئلہ پر دی ہو۔ الغرض حضرت امام کے بے انتہا مناقب میں صرف یہ دو جملے کافی ہیں ایک یہ کہ وہ مجدد ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ الف ثانی کے مجدد ہیں۔ جو بتشریح حدیث نبوی ظہور فتن کے لحاظ سے خطرناک صدی تھی اور جسکا تقاضہ تھا کہ ایسے خطرناک دور میں کوئی معمولی نہیں بلکہ رئیس المجددین بھیجا جاتے جو ان عظیم مہالک و فتن کی مدافعت کر سکے۔"

آئندہ سطور میں آپ حضرت امام کی زبردست مجددانہ سرگرمیوں کا جائزہ لیں اور انصاف سے کہیں کہ جس دور کے متعلق بنص حدیث شرور و آفات کی برسات کی خبر دی گئی ہے۔ اس صدی کے مجدد نے کس عزیمت و ہمت سے کام لیکر علمی برکتوں اور عملی ہمتوں کی لگاتار جھڑی لگاکر کسطرح گندگی اور کیچڑ کو دھوکر اجساد امت کو صاف کیا اور عرب و عجم میں کسطرح اپنی برکات کی تازگی پھیلادی۔

؎ خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

حیرت ہے کہ اس صدی کے خود ساختہ مجددین جو ایسے اولوالعزم ارباب ہمت و صدق پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور بڑی ڈھٹائی سے کہتے ہیں کہ امام ربانی نے امت کے روگ کو پوری طرح سمجھا نہ علاج کیا، بلکہ جس غذا سے پرہیز کرانے کی ضرورت تھی وہی پھر کھلادی — آہ ! اس ستم ظریفی اور احسان ناسپاس کا کیا کہیں۔

حدیث تجدید امت پر ایک نظر | اب جبکہ حضرت مجدد صاحب کی پوری زندگی کے حقیقی جوہر اور منقبت اصلی سامنے آگئے ضرورت ہے کہ مختصراً حدیث بعثت مجددین پر فنی اعتبار سے ایک نظر ڈال لی جائے۔ حدیث بالا ابوداؤد اور طبرانی میں ہے۔ محدث نبیل ملا علی القاری حنفی

شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو ابوداؤد اور طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے اسکی سند صحیح ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ ہیں ایسے ہی امام حاکم نے اسکی تصحیح کی[۱] نیز کنز العمال سے پتہ چلتا ہے کہ اس حدیث کو امام بیہقی نے بھی حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کیا ہے اس کے علاوہ ابونعیم نے حلیۃ اولیاء میں امام بزاز اور حسن نے اپنے اپنے مسانید میں اور ابن عدی نے کامل میں روایت کیا ہے[۲]۔ دیگر ائمہ حدیث نے بھی تصحیح کی ہے[۳]۔

نیز اس موقعہ پر یہ بات ذہن میں رہے کہ ایک صدی میں ایک ہی مجدد کا انحصار غلط ہے بلکہ ایک صدی میں کئی مجدد ہو سکتے ہیں اور مختلف علوم و فنون کے اعتبار سے علیٰحدہ علیٰحدہ ہونا بھی کوئی بعید نہیں۔ اس مسئلہ کی زیادہ تفصیل امام الہند فیلسوف الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتابوں میں ملے گی۔ نیز مولانا عبدالحی لکھنوی نے مجموعہ الفتاویٰ[۳] میں مرقاۃ الصعود سے اور ملا علی القاری[۴] نے مرقاۃ میں وضاحت کے ساتھ اس مسئلہ کو بیان کیا ہے۔ بخوف طوالت صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ مشہور محدث اور فقیہ اور دسویں صدی کے ایک مجدد ملا علی القاری الحنفی فرماتے ہیں۔ کہ :

"میرے نزدیک تجدید کرنے والے سے صرف ایک شخص مراد نہیں بلکہ ایک جماعت مراد ہے جو تجدید کرے گی اور یہ جماعت مختلف بلاد اور مختلف فنون و علوم شرعیہ میں ہوگی جو جس کیلئے زیادہ آسان ہے۔ اس میں مفتی مناظر مدرس مؤلف مصنف وغیرہ سب شامل ہیں بشرطیکہ انقراض صدی، حمایت دین، احیاء سنت، امحاء بدعت اور احقاق حق کی شرائط پوری ہوں[۵]"

ہم نے مختصراً اس مسئلہ کی وضاحت کردی، تفصیلات کے طالب کتب متداولہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ ان ابتدائی مقدمات کے بعد ہم رئیس المجددین حامی السنۃ قامع البدعۃ قطب وقت جامع الشریعۃ والطریقۃ وارث کمالات نبوت ابوالبرکات بدرالدین سیدنا حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی معروف بہ امام ربانی مجدد الف ثانی نور اللہ مرقدہ وقدس اللہ روحہ وبرد اللہ مضجعہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس بطل حریت حامل لواء شریعت کی مبارک و مسعود زندگی کا خاکہ پیش کرتے ہیں۔

ع　زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا

---

[۱] مرقات ص ۲۴۸ ج ۱　[۲] ص ۲۳۸ ج ۹　[۳] مجموعۃ الفتاوی ص ۱۵۱ ج ۲　[۴] مرقات الصعود السیوطی۔
[۵] ص ۲۵۲ ج ۲　[۶] تلخیص مرقات ص ۲۴۸ ج ۲

نام ونسب | آپ کا اسم گرامی شیخ احمد سرہندی، والد محترم کا نام شیخ عبدالاحد ہے۔ اٹھائیس واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق اعظمؓ سے مل جاتا ہے۔ اور اس نسبت فاروقی پر خود حضرت کو بھی ناز تھا۔ چنانچہ ملا حسن کشمیری کے اس سوال کے جواب میں کہ فلاں صاحب اللہ میاں کو عالم الغیب کہنے سے منع فرماتے ہیں۔ اس کا کیا مطلب ہے۔ جواباً ارشاد فرماتے ہیں:

"نوشتہ بودند کہ شیخ عبدالکریم بن گفتہ است کہ حق سبحانہ' وتعالیٰ عالم الغیب نیست مخدوما فقیر را تاب استماع ایں سخناں نیست بے اختیار رگ فاروقیم درحرکت مے آید و فرصت تاویل وتوجیہ نمے دہد" [1]

ایسے ہی ایک دوسرے مقام پر یہ خبر سن کر کہ قصبہ سامانہ ضلع لدھیانہ کے خطیب نے خطبۂ جمعہ میں قصداً اسماء خلفاء راشدین کو ترک کر دیا ہے فرماتے ہیں:

"ایں استماع ایں خبر وحشت انگیز درشورش آورد رگ فاروقیم را حرکت داد بچند کلمہ اقدام نمود" [2]

آپ کے آباء کرام میں علماء وفقرا اور واصلین باللہ کثرت سے تھے۔ بالخصوص آپ کے والد محترم ایک متبحر عالم بے نظیر مدرس اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت تھے۔ اور مجاز بھی ایسے ہی سلسلۂ قادریہ میں صاحب اجازت تھے۔ رحمہم اللہ۔

سلسلۂ نسب کیطرح آپکا سلسلۂ بیعت بھی عجیب وغریب اور یکتائے زمانہ ہے۔ بائیس واسطوں سے آپ خلیفۃ الرسول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبرؓ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں مل جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ دوسرے سلاسل میں بھی صاحب اجازت تھے۔ لیکن اس سلسلہ سے والہانہ عقیدت تھی اور اس کے آپ مجدد بھی ہیں۔ اس نسبت عالیہ پر بڑا ناز تھا۔ ارشاد ہے ؎

الٰہی بہ ایں جملہ خاصان خویش　　دلم را ز دست خودی کن رہا

وطن ولادت اور بشارت | آپ کے آباء کا وطن مدینہ طیبہ زادہا اللہ شرفاً وتعظیماً کے بعد کابل تھا۔ آپ کے ساتویں جد بزرگوار شیخ رفیع الدین صاحب خادم خصوصی مخدوم جہانیاں سید جلال الدین بخاریؒ سب سے پہلے اطراف سرہند میں سنام نامی مقام میں تشریف لائے اس

---

[1] مکتوب ۱۰۰ دفتر اول حصہ اول۔　　[2] مکتوب ۱۵ دفتر دوئم حصہ ششم

زمانہ کے بادشاہ فیروز شاہ تغلق کو امام رفیع الدین سے گہری محبت تھی۔ سید بخاری کی خواہش پر سلطان نے شہر سرہند بسایا اور تعمیرِ قلعہ کے وقت امام رفیع الدین نے حسب حکم شیخ سنگ بنیاد رکھا۔ اور پھر شیخ کے حکم ہی کے پیش نظر سنام چھوڑ کر سرہند تشریف لائے۔ حسب تصریحات امام ربانی سرہند ایک عظیم شہر تھا۔ جبکہ اسوقت ایک قصبہ ہے، سرہند کہ اعظم بلاد اسلام است۔ الخ مکتوب نمبر ۱۹۵ حصہ سوم دفتر اول۔ اور مکتوب نمبر ۲۱ حصہ ششم دفتر دوم میں ہے، بلدۂ سرہند گویا زمین احیاء من است الخ آگے بہت تعریف فرمائی۔ الغرض اس مبارک و مسعود جگہ میں ۱۴ شوال ۹۷۱ھ بروز جمعہ نصف شب کے قریب ولادت ہوئی۔ اللہ اللہ شب جمعہ اور بدر کامل اپنی نورانی شعاعوں سے تمام جہان ارضی کو اپنی خنک اور تیز روشنی سے بقعہ نور بنائے ہوئے ہیں۔ اس عالم میں شیخ عبدالاحد کے گھر شریعت و طریقت کے مہر تاباں کا طلوع ہوتا ہے۔ کتنی نیک فال ہے؟ والد مرحوم خواب دیکھ چکے ہیں کہ تمام جہاں میں ظلمت و تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ سور بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اچانک میرے سینہ سے نور نکلا جس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک صاحب تکیہ لگائے رونق افروز ہیں ان کے سامنے ملاحدہ و زنادقہ کو بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کیا جا رہا ہے اور کوئی شخص بآواز بلند کہہ رہا ہے۔ جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقاً۔ علی الصباح اس خواب کا تذکرہ حضرت شاہ کمال کیتھلی سے کیا جن کے متعلق امام ربانی کا ارشاد ہے۔ کہ سلسلۂ قادریہ میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے بعد ان کی نظیر کم نظر آتی ہے۔ انہوں نے فرمایا تمہارے یہاں ایک لڑکا ہوگا جس سے الحاد و بدعت کی ظلمت ختم ہو گی۔ اللہ اللہ کیسی سچی خواب اور کیسی صحیح بشارت تھی اور کیوں نہ ہو ارشاد نبوی ہے: مابقیت من النبوۃ الا المبشرات قالوا وما المبشرات قال الرؤیا الصادقۃ۔ (الحدیث)

(باقی آئندہ)

جناب مولانا غلام محمد صاحب بی۔اے۔ کراچی

تعلیمِ بالغاں اور اسلام

تعلیمِ بالغاں کے مسئلہ پر چند برس پہلے کراچی میں ایک سیمنار (مجلسِ مذاکرہ) منعقد ہوا تھا جس میں محکمۂ تعلیمات کے بعض ماہرین کے علاوہ تعلیم کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والے اور افراد کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ راقم الحروف کو "مسئلہ تعلیمِ بالغاں اور اسلام" کے عنوان پر اظہارِ خیال کرنے اور کچھ تجاویز اس سلسلہ میں پیش کرنے کی دعوت ملی تھی، اسکی تعمیل و تکمیل میں یہ مضمون پیش کیا گیا تھا۔ ہمارے ملک میں تعلیم بالغاں کا مسئلہ خاصہ اہم ہے مگر مجلسِ مذاکرہ کی کارروائی افسوس کہ مذاکرہ ہی پر ختم ہو کر رہ گئی، خیال آیا کہ اسکو ماہنامہ الحق کے ذریعہ وقفِ عام کر دیا جائے شاید کوئی معروضہ کسی کے کام آ جائے۔ والسلام۔ (غلام محمد)

★

اسلام کی بنیاد جب قرآن پر ٹھہری تو اب یہ ثابت کرنا کیا ضروری رہا کہ اسلام ہی تعلیم و تعلم کا ضامن ہے۔ اور جب اسلام کا مقصد انسانیت کی کامل اصلاح اور مکمل فلاح ہے تو قرآنی تعلیم کے "غیر مقصدی" ہونے کا وسوسہ بھی کیوں ذہن میں آنے پائے۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ اس کا طریق تعلیم و تربیت کیا ہے۔؟

یہ تو مسلّم ہے کہ داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جس قوم میں مبعوث ہوئے وہ اعتقاد و اخلاق کی بدترین نشان تھی اور اسکی بڑی وجہ اسکی جہالت ہی تھی۔ ایسی قوم کو ۲۳ برس کی قلیل مدت میں نمونۂ اعتقادی اور بلند کرداری کا نمونہ ہی نہیں بلکہ "معلم" بنا دینا بلاشبہ پیغمبرِ اسلام کا ایک معجزانہ کارنامہ تھا۔ لیکن اس انقلابِ رحمت کے کچھ اصول بھی تھے جو ملحوظ رکھے گئے اور بعض طریقے بھی تھے جو برتے گئے۔ نبی کریمؐ کی اس سنت میں ہمارے لئے ہدایت کے وہ سامان موجود ہیں جن سے تعلیم بالغاں کی مہم بآسانی سر ہو سکتی ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخاطب اوّل طبقہ کون تھا۔؟ کیا وہ بچے تھے؟

ہرگز نہیں بلکہ وہ وہی لوگ تھے جو "بالغین" کی تعریف میں آتے ہیں۔ انہیں بالغین کی ذہنی وفکری اصلاح اور تزکیہ نفس کے ذریعہ کم سے کم وقت میں بہتر سے بہتر نتائج برآمد ہو سکے تھے۔ اور جو پست تر تھے وہ دیکھتے ہی دیکھتے ساری دنیا میں برتر ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطب اوّل طبقہ میں خواندہ بھی تھے اور ناخواندہ بھی، کور دماغ بھی تھے۔ اور کج فہم بھی، آمادۂ اصلاح بھی تھے اور ضدی ہٹ دھرمی بھی۔ ان کی اصلاح کا جو نہج اس وقت اختیار کیا گیا اور مدت تک کامیابی کے ساتھ رائج رہا وہی نہج آج بھی جزوی تبدیلی کے ساتھ ہمارے لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ قیام مکہ ہی کے زمانہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیرؓ اور ابن ام مکتومؓ کو بیعت عقبی اولی کے بعد ہی اس مشن کے ساتھ مدینہ بھیجا کہ وہ لوگوں میں قرآن کی تعلیم عام کریں پھر ہجرت کے بعد اس میں اور زیادہ ترقی ہوئی اور مسجد نبوی کی سجدہ گاہ اصحاب صفہ کے فیض سے ایک مستقل درسگاہ بن گئی۔ یہاں درس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص قرآن پاک پڑھتا اور سب اس کو سنتے اور سمجھتے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر انصاری کا گھر ایک مکتب بنا ہوا تھا۔ جو مہاجر باہر سے آتے اور انصار کے سپرد کئے جاتے تو مہمانداری کا سب سے بڑا فریضہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی تعلیم ہی تھی چنانچہ وفد عبد القیس جب واپس چلا ہے تو اس کے معترفانہ الفاظ یہ تھے:

ان الانصار یعلموننا کتاب ربنا وسنۃ نبینا۔	انصار ہم کو ہمارے خدا کی کتاب اور ہمارے پیغمبر کی سنت سکھاتے ہیں۔

تعلیم بالغاں کا یہ طریقہ اس وقت تک رہا جب تک مسلمان اپنی کوئی حکومت وسلطنت نہ رکھتے تھے۔ پھر جب وہ حاکم بن گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو امرا و عمال مختلف علاقوں میں مقرر فرمائے ان کا سب سے مقدم فریضہ کتاب وسنت کی تعلیم ہی قرار پایا۔ مثلاً آپ نے معاذ ابن جبلؓ کو یمن کا عامل مقرر فرمایا تو اس تقرر کا مقصد یہ قرار دیا کہ:

لیعلم الناس القرآن وشرائع الاسلام۔	تاکہ وہ لوگوں کو قرآن اور شرائع اسلام کی تعلیم دیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا سے پردہ پوشی کے بعد خلفائے راشدین نے اس مقصد کو اور زیادہ فروغ دیا خصوصاً حضرت عمرؓ نے مختلف صحابہؓ کرام کو جو قرآن، حدیث یا فقہ کے ماہر تھے اس تعلیمی مقصد کے تحت مملکت کے طول وعرض میں پھیلا دیا، اسکی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ عبادہ بن صامتؓ حمص پہنچے۔ ابوالدرداءؓ دمشق میں ٹھہرے۔ معاذ ابن جبلؓ فلسطین کے

مقیم بن گئے۔ عمران بن حصینؓ بصرہ میں جم گئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے مدائن کو عزت بخشی حذیفہ بن اسحاقؓ مصر کے لئے باعث رونق بن گئے۔ اور خاص مسجد نبویؐ میں جابر بن عبداللہ کو خدمت تعلیمی کا شرف ملا۔

خلافت راشدہ کے دور میں علم کا سیکھنا اور سکھانا جزو مذہب اور عین عبادت تھا۔ اسی لئے اس پر ہدیہ لینا ممنوع تھا۔ پھر چونکہ اس وقت "علم بلا عمل کا تصور" ہی ناپید تھا۔ اس لئے علم کی اشاعت اور اخلاق کی تربیت ہاتھ میں ہاتھ دئے چل رہی تھی، البتہ نہ تو تعلیم کا کوئی نصاب مقرر تھا، نہ مدت تعلیم کا کوئی تعین۔ ہر شخص کو آزادی تھی کہ اپنے رجحان طبع کے مطابق جس چشمۂ فیض سے چاہے سیرابی حاصل کرے۔ مقصد سب کا متعین اور ایک تھا۔

اس زمانۂ خیر کے بعد بنوامیہ کے دور میں بھی خواہ سیاسی اعتبار سے کچھ خرابی آگئی ہو۔ مگر تعلیمی جدوجہد برابر ترقی کرتی رہی۔ اسی زمانہ میں مختلف علوم سینوں سے سفینوں میں منتقل ہونے لگے۔ اور یونانی علوم و فنون نے بھی عربی قالب اختیار کیا۔ اس دور کے خلیفۂ راشد حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے تو اشاعت تعلیم پر خاص توجہ فرمائی۔ معلمین کو فکر معاش سے مستغنی کر کے اور طلبہ کو وظائف دیکر افادہ اور استفادہ کا شوق عام کر دیا۔

اس سارے زمانہ میں تعلیم کا طریقہ یہ تھا کہ ایک استاد کھڑا ہو کر لیکچر دیتا اور طلبہ اس کو بغور سنتے اور اس کے افادات قلمبند کرتے جاتے تھے۔ عربی میں یہ طریقہ "املا" کہلاتا ہے۔ اور تعلیم بالغاں کے لئے اس سے بہتر شاید دوسرا طریقہ نہ مل سکے۔ علامہ ذہبی نے طبقات میں لکھا ہے کہ "اس زمانے کے بعض حلقۂ درس ایسے ہوتے تھے جس میں دس ہزار سے زاید دواتیں رکھی جاتی تھیں اور لوگ احادیث نبوی لکھتے تھے۔"

اس دور کے بعد عہد عباسیہ میں ۴۰۰ھ سے باضابطہ مدارس کا آغاز ہوا جسکی تفصیل ہمارے مقصد کے لئے غیر ضروری ہے، جو اجمالی خاکہ قرن اول سے دور بنو امیہ تک کا پیش کیا گیا ہے۔ اس پر غائر نظر ڈال کر ہم اپنے ملک میں تعلیم بالغاں کے طریقے بہ آسانی مدون کر سکتے اور کامیابی کے یقین کے ساتھ ان پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

راقم کے ذہن میں اس کا ایک اجمالی خاکہ یہ ہے:

۱۔ ہماری آبادی کا بہت بڑا حصہ ناخواندہ ہے۔ ان کے لئے "املا" کا طریقہ ہی نہایت موثر ہو سکتا ہے۔ اور اس کے لئے ضرورت ہے کہ ماہرانہ دینی تعلیم رکھنے والے افراد کو ایک تنظیم کے

تحت ساری مملکت پاکستان میں پھیلا دیا جائے جو دین کی بنیاد کو لوگوں کے ذہن میں راسخ کر دیں تاکہ اس بنیاد پر ان کی ہمہ جہتی ترقی نشو و نما پا سکے۔

علماء کی یہ جد و جہد مساجد تک محدود نہ رہے۔ کیوں کہ ضرورت تو ان کو لاکھوں کروڑوں افراد میں شعور پیدا کرنے کی ہے جن کے قدم مسجد کیطرف بڑھتے ہوئے ٹھٹک جاتے ہیں۔

۲۔ ایسے اہل علم بلا مزد خدمت انجام دے سکیں تو کیا ہی کہنا ہے۔ مگر حالات حاضرہ کے پیش نظر ایسے ایثار پیشہ افراد چند ہی نکل آئیں تو حیرت کی بات ہوگی۔ اس لئے ان کے معاشی بندوبست کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ یا تو حکومت وقت ان کو بقدر ضرورت وظائف مقرر کر کے ان کی کارکردگی پر نظر رکھے، یا پھر غیر حکومتی مجلس تنظیمی ان کی معاشی کفالت کی ضامن بن جائے، اور چندوں اور عطایا کے ذریعہ مالیہ کی فراہمی کے سامان ہوں۔

۳۔ مذکورہ ہمہ وقتی معلمین کے سوا ہر ذی علم مسلمان اپنے وقت کا کچھ حصہ اس کام کے لئے نکالے اور ماہانہ یا ہفتہ وار کچھ وقت خاص کر تعلیم بالغاں کی خدمت بہ نیّت عبادت انجام دے۔

۴۔ مملکت کے شہروں اور قصبات کے ہر محلہ میں روزانہ کم ازکم تین آیات قرآنی کی تفہیم اور چند ضروری مسائل کی تلقین کا اہتمام کیا جائے۔

۵۔ ہر مسلمان خواہ جہاں کہیں اور جس حیثیت میں بھی ہو اپنے مقصد زندگی اور اپنی حیثیت اصلی کو نہ بھولے اور بحیثیت مسلمان اپنی ذمہ داریوں کا اظہار گفتگو میں کرتا رہے[1] تاکہ اس سے خود اسکی اور اس کے مخاطب کے ایمان کی تازگی برقرار ہے۔ احیاء دین کا یہ نہایت آسان اور موثر طریقہ ہوگا۔

۶۔ اب تک جو مشورے پیش کئے گئے وہ عام ناخواندہ یا کم علم افراد میں کام کرنے سے متعلق تھے۔ ہمارے اندر ایک خاصہ طبقہ پڑھے لکھے بگڑے دماغوں کا بھی ہے۔ اور ان کی اصلاح بھی تعلیم بالغان کے تحت آتی ہے اور فکر و نظر کی درستی کے بعد یہی طبقہ مبلغین اسلام کا بہترین گروہ بن سکتا ہے۔ اس طبقہ میں کج فہمی چونکہ فلسفہ کلام یا مختلف "ازمس" کی راہ سے آئی ہے۔ اسلئے

---

[1] آیت پاک: ومن احسن قولاً ممن دعیٰ الی اللہ وعمل صالحاً و قال اننی من المسلمین (فصلت) کے آخری جزو "وقال اننی من المسلمین" کے نفسیاتی رمز کو پوری طرح محسوس نہیں کیا گیا ورنہ اسی استحضار اور اظہار کی تلقین میں مسلم معاشرہ کی اصلاح کی موثر ترین تدبیر موجود ہے۔ کاش! اسکو بدیت کے دیکھا جائے!

ان کی اصلاح کی خاطر ایسے ادبی حلقے (LITERARY CIRCLE) قائم کئے جائیں جہاں ان کے نقطہ نظر کو حسن کرداں کا تیر مناظرانہ اور تشفی بخش جواب دیا جائے۔ اور ان کے سامنے اسلام کی غایت اور اس کے مطالبات کو ان کے انداز فہم (METHOD OF APPROACH) کی رعایت کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔

اس کام کیلئے ایسی بالغ نظر ہستیاں درکار ہوں گی جن کی نگاہ میں دین کا عمق بھی ہو اور تقاضائے وقت کو سمجھ کر حقائق دینی کو قابل قبول انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت بھی ہو۔ یہ کام یونیورسٹیوں اور اعلیٰ دینی مدارس کے زیر سرپرستی توسیعی تقاریر (EXTENSION LECTURES) کی صورت میں بخوبی انجام پا سکتا ہے ــــ ع

این قدر گفتیم باقی بہار کن

سقوط بیت المقدس ــــ ایک دینی مسئلہ میں غفلت کا خمیازہ

صلیبی لڑائیوں کے بعد مسلمان حکمرانوں نے جب مسجد اقصیٰ اور فلسطین کے تحفظ کی ضرورت محسوس کی تو انہوں نے حرم مسجد اقصیٰ کی فصیل کے باہر چاروں طرف دور دور تک زمین دینی مدارس اور معاہد پر وقف کر دی تاکہ حرم قدس کا یہ مقدس خطہ خرید و فروخت اور اجانب کے تصرفات اور دسترس سے محفوظ رہے۔ اور اسی طرح ان مسلمان حکام نے فلسطین کی اکثر بستیوں کو بھی اسلامی امور کے لئے وقف کر دیا، یہاں تک کہ علاقہ فلسطین کا ۳/۴ حصہ مدارس و مساجد کیلئے وقف ہو گیا مگر بعد میں مسلمانوں کی نرمی کمزوری اور کوتاہ نظری نے ان وقف املاک کی حرمت برقرار نہ رکھی اور ان اوقاف کو وقف عینی سے وقف عشری میں منتقل کر دیا گیا۔ یعنی ان زمینوں کی خرید و فروخت جائز قرار دی گئی۔ اور ان کا عشر وقف مد میں جمع ہوتا تھا۔ جس کے نتیجہ میں خرید و فروخت کے ذریعہ یہ زمینیں یہود کے ہاتھوں منتقل ہوتی چلی گئیں۔ مسلمانوں کی کمزوری اور دینی احکام میں تساہل اور غفلت نے مسلمانوں کے ایک مقدس خطہ کو دشمنوں کے حوالہ کر دیا جبکہ ان کے آباء نے محض اسکے تحفظ و بقاء کے لئے ان زمینوں کو وقف کر دیا تھا۔ اور یہ انجام تھا ایک دینی مسئلہ میں تہاون اور تحریف کا۔

(ترجمہ از حضارۃ الاسلام دمشق۔ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ)

ناظم دارالعلوم

احوال و کوائف

دارالعلوم حقانیہ

حضرت شیخ الحدیث کے تبلیغی مشاغل و اسفار پچھلے ماہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ نے پشاور کی انجمن تبلیغ قرآن و سنت کے زیرِ اہتمام مسجد قاسم علی خان میں بعد از نماز عشاء درس قرآن دیگر انجمن کے زیرِ اہتمام مجالس درس قرآن کا افتتاح فرمایا، آپ نے قرآن کریم کے مختلف پہلوؤں پر دو گھنٹہ تک خطاب فرمایا مسجد قاسم علی خان کا یہ درس مولانا محمد یعقوب صاحب قاسمی فاضل حقانیہ دے رہے ہیں۔ انجمن کو حضرت مفتی عبدالقیوم پوپلزئی کی سرپرستی حاصل ہے۔ ۴ر صفر کو حضرت شیخ الحدیث مدظلہ تحصیل وزیر آباد کے موضع احمد نگر تشریف لے گئے، اور رات کو بعد از نماز عشاء ختم نبوت کے موضوع پر خطاب فرمایا جو پچھلے شمارہ میں شائع ہو چکا ہے، احمد نگر کا سفر برطانیہ میں مقیم دینی درد رکھنے والے اور دارالعلوم کے ایک مخلص پاکستانی ہمدرد جناب راؤ شمشیر علی خان صاحب انٹرنیشنل تبلیغی مشن کی خواہش پر ہوا۔ راؤ صاحب کو خدا نے دینی جذبات اور تبلیغی سوز اور تڑپ سے نوازا ہے۔ یہاں تک کہ خود معہ برطانوی نومسلمہ اہلیہ کے انگلستان میں مقیم ہونے کے باوجود اپنے کمسن اور معصوم بچے کو دارالعلوم میں تعلیم کے لئے چھوڑنے کا فیصلہ فرما چکے ہیں۔ ۵ر صفر کو آپ احمد نگر سے لاہور تشریف لے گئے اور قبل از دوپہر موچی دروازہ میں جمعیۃ العلماء اسلام کی مشہور تاریخی کانفرنس میں ارباب دعوت و عزیمت علماءِ حق کے کارناموں اور کردار کی روشنی میں اہل علم کی ذمہ داریوں پہ خطاب فرمایا۔ کانفرنس کے اختتام تک آپ لاہور ہی رہے۔ اور ۷ر صفر کو لاہور سے واپسی ہوئی۔ اسی اثنا میں ۶ر صفر کو بعد از نماز عشاء بیگم پورہ لاہور کے مدرسہ ضیاء العلوم میں تشریف لے گئے مدرسہ کا معائنہ فرمایا اور بعد از نماز عشاء درسِ قرآن دیا۔ یہ مدرسہ مولانا لطیف الرحمان گلگتی فاضل دارالعلوم حقانیہ کے زیرِ اہتمام ترقی و تکمیل کے مراحل تیزی سے طے کر رہا ہے۔ مدرسہ کے مخلص اراکین اور تمام منتظمین نے حضرت شیخ الحدیث کی آمد پہ نہایت پُرخلوص جذبات کا مظاہرہ فرمایا۔ لاہور جیسے مرکز میں دینی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں دارالعلوم کے ایک قابل روحانی فرزند کے یہ مساعی دارالعلوم کے لئے مایۂ افتخار ہیں۔ گیارہ مئی کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نے دارالعلوم نعمانیہ اتمانزئی کے جلسہ میں شمولیت فرمائی۔ ۱۰ر ربیع الاول کو آپ نے بعد از نماز عشاء انجمن خدام الدین نوشہرہ کی سہ روزہ کانفرنس کا افتتاح فرماتے ہوئے صدارتی تقریر فرمائی۔ ۱۲ر ربیع الاول کو آپ سیرت کمیٹی آزاد کشمیر کی دعوت

پر مظفر آباد تشریف لے گئے۔ آزاد کشمیر کا یہ آپ کا پہلا سفر تھا۔ مظفر آباد کے مختلف طبقوں نے نہایت مسرت اور دلچسپی کا اظہار فرمایا۔ رات کو صدر آزاد کشمیر الحاج عبدالحمید خان صاحب کی صدارت میں گورنمنٹ کالج کے وسیع میدان میں سیرت کمیٹی کے زیر اہتمام جلسہ میں آپ نے سیرت مطہرہ کے مختلف پہلوؤں بالخصوص جہاد پر خطاب فرمایا اور اس ضمن میں مسلمانان آزاد کشمیر کے حوصلہ اور جذبۂ جہاد اور مدافعت وطن کو سراہا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان صدر آزاد کشمیر سے خصوصی ملاقات رہی، مشاغل تدریس کی وجہ سے حضرت کا قیام مظفر آباد میں صرف ایک ہی رات رہا۔ دوسرے دن ۱۳ر ربیع الاول کو آپ واپس دارالعلوم تشریف لائے۔ ۱۶ر ربیع الاول کی رات کو آپ نے مدرسہ عربیہ شیر گڑھ کے سالانہ جلسہ میں شمولیت فرمائی۔

واردین وصادرین دارالعلوم میں مختلف طبقوں کے زائرین کی آمد رہتی ہے۔ بالخصوص اکابر و مشائخ دین بھی اکثر دارالعلوم کو نوازتے رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں پچھلے دنوں بقیۃ السلف حضرت شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین صاحب مدظلہ، غورغشتی ایک سفر کے دوران دارالعلوم تشریف لائے۔ طلبہ واساتذہ کو شرف مصافحہ اور ہمکلامی حاصل ہوا اور آپ نے دارالعلوم کی باطنی وظاہری ترقیات کیلئے دعائیں فرمائیں۔ ۱۳ر ربیع الاول کی صبح کو حضرت حافظ الحدیث مولانا حافظ عبداللہ درخواستی دامت برکاتہم امیر جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان انجمن خدام الدین نوشہرہ کے جلسہ سے فارغ ہو کر دارالعلوم تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری سے دارالعلوم میں عجیب چہل پہل رہی۔ حضرت مدظلہ، سیدھے دارالحدیث تشریف لائے اور تمام طلبہ اور اور اساتذہ کو دیر تک اپنے گرانمایہ ارشادات اور انمول مواعظ ونصائح سے محظوظ فرماتے رہے۔ علم اور اہل علم کی فضیلت اور اہل علم کے فرائض پر روشنی ڈالی اور دارالعلوم کی ترقی استحکام کے لئے دعائیں دیتے ہوئے اسے اکابر کی یادگار قرار دیا۔ یہاں طلبہ کے جم غفیر اور دارالعلوم کے ماحول میں حضرت مدظلہ، کی طبیعت کی بشاشت کا عجیب حال تھا۔ طلبہ سے شفقت کی بنا پر آپ نے اپنی جیب سے شیرینی منگوا کر طلبہ میں تقسیم کی۔ ۱۰ر صفر کو تبلیغی جماعت کے میاں جی عبداللہ صاحب رائے ونڈ اور دیگر سرکردہ حضرات کی معیت میں باہر ممالک سے تبلیغ کے سلسلہ میں آئے ہوئے حضرات دارالعلوم تشریف لائے۔ ان مہمانوں میں اردن، شام، سوڈان، ترکی، عراق کے علاوہ امریکہ کے بعض نو مسلم نیگرو حضرات بھی شامل تھے۔ دارالحدیث میں جمع ہو کر طلبہ ان کے پرخلوص خیالات اور جذبات سے مستفید ہوئے بشام

باقی صفحہ ۴۹ پر